اللہ تعالیٰ کے رحم اور فضل کے ساتھ

ماہنامہ

قندیل ادب

اکتوبر 2014ء

مدیر: رانا عبدالرزاق خان

07886304637 & 02089449385

rana_razzaq@hotmail.com

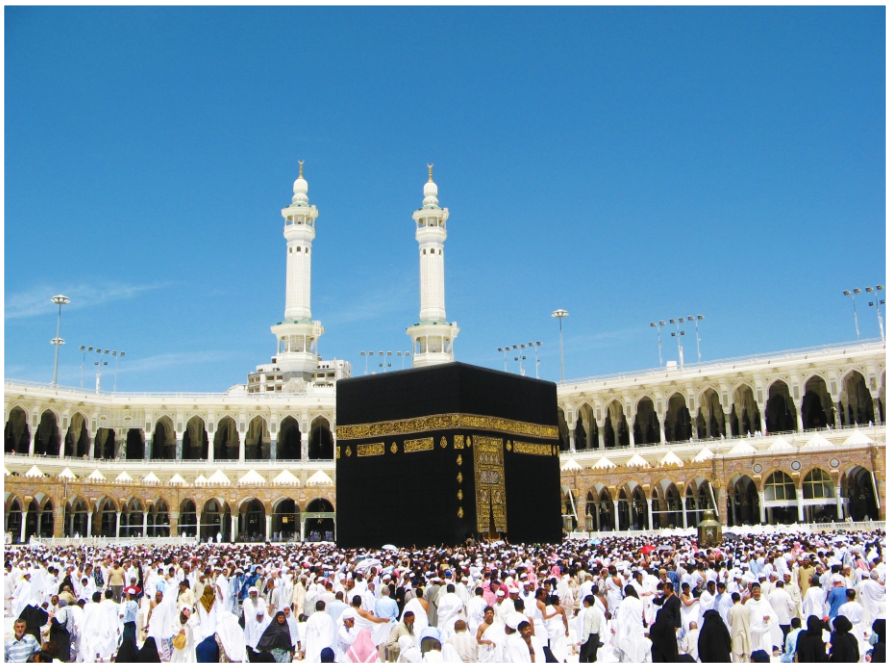

www.bazmesherosukhan.co.uk

ماہنامہ قندیلِ اَدب انٹر نیشنل لندن

شمارہ نمبر:22 اکتوبر 2014ء

مجلس ادارت

زکریا ورک، خواجہ عبدالمومن ناروے، امجد مرزا امجد

مدیر اعلیٰ : بشیر احمد رفیق لندن

مدیر : رانا عبدالرزاق خان

معاون مدیر : عامر مجید

مدیر خصوصی : سہیل لون

ڈیزائنر : خورشید احمد خادمؔ

منیجنگ ڈائریکٹر : عاصی صحرائی

فوٹو گرافی : قاضی عبدالرشید، فضل عمر ڈوگر، ایم اشرف خاکی

ارا کین مشاورتی بورڈ

آدم چغتائی، منور احمد کنڈے، اقبال مجیدی، آصف پرویز، میاں فہیم الدین، ثقلین مبارک اور تنویر احمد آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، راجہ منیر احمد، بشیر احمد خان سویڈن، اے حق (یو کے ٹائمز)

وضاحت

قندیلِ اَدب انٹرنیشنل کسی سیاسی سماجی مذہبی گروہ یا فرقے کا ترجمان نہیں یہ نسل یا فرقوں کے اِمتیاز سے بالاتر ہے یہ صرف اُردو اَدب کی ترقی و ترویج کے لئے جاری کیا گیا ہے اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں قارئین کو آراء یا مضامین سے اختلاف کا حق حاصل ہے اور اس کے صفحات حاضر ہیں۔ تحریر کے ساتھ اپنا مکمل ایڈریس اور فون نمبر ضرور ارسال کریں یہ آپ کا اپنا میگزین ہے۔

التماس

ہم سب دوستوں سے التماس کرتے ہیں کہ اپنے ادبی فن پارے، غزل، نظم، افسانہ، مشاعرے کی روئیداد وغیرہ جو بھی ان پیج میں ارسال کیا جائے گا۔ بلاتفریق اسے معیار کے مطابق شائع کیا جائے گا۔ جو دوست بھیجتے ہیں اُن کی قدر کی جاتی ہے۔ قندیل ادب اکثر ممالک میں پندرہ ہزار قارئین تک جاتا ہے۔ اور ویب سائٹ سے بھی پڑھا جاتا ہے۔ اگر آپ کے پاس ادبی فن پارہ کوئی نہیں تو اپنے ریمارکس ہی ارسال کر دیا کریں تاکہ ہم اپنا محاسبہ کرتے رہا کریں۔ شکریہ۔

(رانا عبدالرزاق خان)

فہرست

غزل	روشن دین تنویر، عبدالجلیل عباد، ضیاء اللہ مبشر	2
غزل	سہیل احمد لون، ارشاد عرشی ملک	3
اُردو کی اِرتقائی منازل اور مختلف نام	رانا عبدالرزاق خاں	3
ٹیکنالوجی کی دنیا سے مفید خبریں	زکریا ورک	4
غزل	مشیم علی آغا، استاد قمر جلالوی، عابد ودود	6
سوہن راہی - ایک بڑا گیت کار	افتخار عارف	7
افسانہ - جس تن لاگے	طلعت سلیم	8
غزل	خواجہ حنیف تمنا، ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ	9
غزل	محمد اسحاق اطہر جرمنی	9
غزل	چودہری مقصود الرحمٰن، صادق باجوہ، انور ندیم علوی	10
قابل غور اشعار....	رجل خوشاب	11
جستہ جستہ	عاصی صحرائی	12
دلچسپ و عجیب....	امجد مرزا امجد	12
''سب کچھ تری عطا ہے''	ڈاکٹر عبدالکریم خالد کے تاثرات	13
غزل	بشیر بدر، امجد اسلام امجد	14
غزل	ساحر لدھیانوی، بیدل حیدری	14
غزل	ساغر صدیقی، سعد اللہ شاہ	15
غزل	سیف الدین سیف، عدیم ہاشمی، فاطمہ حسن	16
غزل	فاخرہ بتول، فیض احمد فیض	16
گلدستہ	محمد حسن خان	17
اینٹ اور شراب....	بی اے رفیق	18
لطائف	فراز حمید خاں	19
جدید علوم سائنس اور مذہب	شیخ عبدالمجید جرمنی	20
ڈاکٹر عبدالسلام اور بت پرستی؟	بی اے رفیق	23
نامور شاعر - ریاست رضوی	ڈاکٹر جمال سوری لندن	24
ایک تجزیہ!	زبیر خلیل خان - کروشیا	25
غزل	عامر امیر، ساجد رانا	27
آدم چغتائی.. شاعری کے تناظر میں	اسحاق ساجد	28
گیت	اسحاق ساجد	28

روشن دین تنویر....غزل

ایک کعبہ کروڑوں بت خانے
اک حقیقت کروڑوں افسانے
وحی حق کے بغیر علم کہاں
عقل بے چاری اس کو کیا جانے
شمع جب تک نہ خود جلے پہلے
جلنے آتے نہیں ہیں پروانے
ہے بگولوں سے خیر مقدم قیس
ناچ اُٹھے خوشی سے ویرانے
جان مردوں میں ڈال کر تنویر
کر دیا جاوداں مسیحا نے

لمحۂ وصل....ضیاء اللہ مبشر

اِک خواب سی وہ دید تھی اس پُر جمال کی
مجھ کو عطا ہوئی جو گھڑی تھی وصال کی
تھا کاروانِ شوق زیارت مرا وجود
اشکوں کی پالکی میں تھی دلہن خیال کی
میں تشنہ روح،تشنہ جاں،پیاسا تھا دید کا
بارش تھی اُس کی اک نظر آبِ زلال کی
وہ بھی تھا التفات کا بادل چڑھا ہوا
ہم نے بھی خوب فصلِ دل نہال کی
وہ نور نور چہرہ،وہ آنکھیں حیا حیا
پرچھائیں ہے اُس عکسِ ذوالجلال کی
ہر لفظ تھا گلاب تو ہر بول بوستاں
مہکی تھی بات بات میں خوشبو کمال کی
پُر سوز دلگداز ہیں اس کی قراءتیں
اِک لحنِ دلرُبا ہے نوائے بلال کی
دل نے سنبھال رکھی ہے وہ اِک نگاہِ مست
ہم نے وہ ایک پل کی لقاء لازوال کی
اُس پہ خدا کا سایہء رحمت رہے سدا
آئے کبھی نہ کوئی گھڑی ملال کی

عبدالجلیل عبادؔ....غزل

خطبہ جمعہ ہے یا کوئی رنگِ جمال ہے
یا آسمانی پیڑ کے پھولوں کی ڈال ہے
موتی چمکتے اس میں حکمت کے ہر طرف
ہر لفظ لفظ اس کا سمندر مثال ہے
اِک وجد اِک سرور میں کرتا ہے مبتلا
لگتا ہے جیسے ارض و سما کا وصال ہے
اِک نور نور شخص خدا کا ہے ترجمان
اُس کا وجود مظہرِ نورِ جمال ہے
کرتا چمن میں خوشبوئے جب داستاں بیاں
اُگتی ہے دل پہ پھر کوئی شاخِ نہال ہے
برکت بہت خلافتِ مہدی کے باغ میں
کرتا یہ پھل انعام نئے پورے سال میں
چمٹے رہو خلافت حقہ کے ساتھ تم
اَب اس میں ہے عروج بس باقی زوال ہے
سب برکتیں رکھی ہیں اطاعت میں دوستو
ملتا خدا اُسے ہے جو عجزو کمال ہے
ڈر ڈر کے روزو شب گزارو جہان میں
ربِّ رحیم وہ کبھی ربِّ جلال ہے
قدموں میں دین کے تم لا کے رکھ دو دولتیں
آخر میں فائدہ دیکھنا دے گا یہ مال ہے
اب کیا یہاں بیاں کروں حالتِ جہاں
جس سمت بھی نگاہ کرو چشمِ ملال ہے
میں اُس کو پیار کیوں نہ کروں جان و دل کے ساتھ
میرا حسیں تو ارض و سما کا غزال ہے

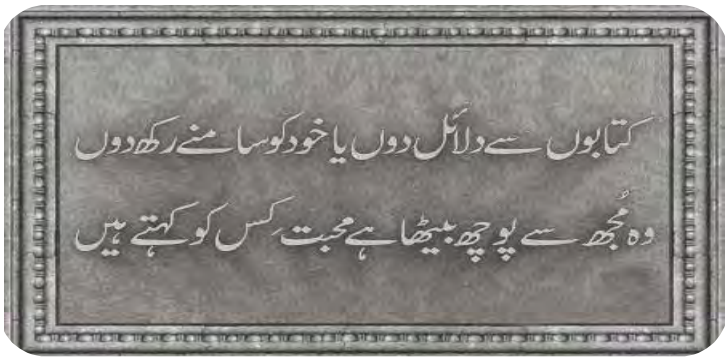

سہیل احمد لون....غزل

اشک سے چاہے ہم ستارا ہوئے
پھر بھی ان کو کہاں گوارہ ہوئے

یہ نہ پوچھو کہ کس اذیت سے
کف دریا سے ہم کنا را ہوئے

جب سے بیساکھیوں کو توڑ دیا
بے سہاروں کا ہم سہارا ہوئے

خواہش صبح میں کئی برس
کبھی جگنو کبھی شرارا ہوئے

خود سے بچھڑے جو ایک بار سہیل
غم دنیا سے پارا پارا ہوئے

اللہ کی یاد....ارشاد عرشی ملک

اپنی آنکھ میں آنسو لاکر
پلکوں پر برسات سجا کر

دل کی دھڑکن کو سمجھا کر
سینے میں اک آگ لگا کر

ہر بات پہ رونا کیسا
کبھی کبھی ہنس بول لیا کر

جو کہنا ہے رب سے کہنا
اُس کے آگے من ہلکا کر

ضبطِ غم ہر غم کا چارہ
اندر اندر آگ سہا کر

جو کہنا ہے کہہ مولا سے
اپنا سچا یار بنا کر

سچیاں خوشیاں مل جاتی ہیں
اُس کی یاد میں اشک بہا کر

اُردو کی اِرتقائی منازل اور مختلف نام

(رانا عبدالرزاق خاں)

اُردو ایک ایسی پیاری اور دلکش زبان ہے کہ اُس کی زلف گرہ گیر کے اَسیر ساری دنیا میں پائے جاتے ہیں۔اُردو کا دامن طرح طرح کے پھولوں سے بھرا پڑا ہے۔اس گلستاں کی سیر کرنے والا کبھی تشنہ نہیں رہ سکتا۔اُردو کو اُردو کہنا بقول کسے صرف اُردو کے ساتھ بے اِنصافی ہی نہیں، پورے برّ صغیر کی تہذیب، تاریخ اور باہمی میل ملاپ سے زیادتی ہے۔اُردو کو جینے کا ایک سلیقہ، ایک طرزِ زندگی اور ایک اسلوبِ زیست کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔معروف ادیب جناب رضا علی عابدی اپنی کتاب ''اُردو کا حال'' میں لکھتے ہیں:۔''رشید احمد صدیقی کیسے بھلے آدمی ہیں انہوں نے لکھا تھا کہ زبان کے علاوہ اُردو بہت کچھ اور بھی ہے۔جیسے ایک قیمتی ورثہ، ایک قابلِ قدر روایت، ایک نادر آرٹ، ایک مسحور کُن نغمہ، قابلِ فخر کارنامہ، کوئی پیمانِ وفا، یا اس طرح کی کتنی اور باتیں، جو محسوس ہوتی ہیں لیکن بیان نہیں ہو پاتیں''۔(اُردو کا حال از رضا علی عابدی سنگِ میل پبلیکیشنز لاہور) اُردو ایسا ہی ایک مسحور کُن نغمہ ہے کہ جو لسانی اور سماجی اختلاط و ارتباط سے وجود میں آیا۔جسے ہر چاہنے والے من پسند نام سے پکارا۔اَمیر خسرو نے اُسے ہندوی یا دہلوی کے نام سے پکارا۔اُردو نے جتنی بھی ارتقا کی منازل طے کیں۔اتنے ہی اس کے نام بنتے چلے گئے۔اور مختلف ادوار میں یہ نام بدلتے بھی گئے۔ناموں کی اس تبدیلی کے پس پردہ لسانی اور تہذیبی خصوصیات بھی تھیں۔اس شیریں زبان کو کبھی ہندوی کہا گیا۔تو کبھی ریختہ کے نام سے یاد کیا گیا۔کبھی اُسے اُردوئے معلیٰ بھی کہا گیا اور کسی زمانے میں اُسے دکنی اور گجراتی کے ناموں سے موسوم کیا گیا۔اُردو کے ناموں کا یہ سفر بالآخر اُردو پر ہی اختتام پذیر ہوا۔انہی ناموں کی مختصر کہانی درجِ ذیل ہے:

ہندی یا ہندوی

فصیح الملک نواب مرزا داغ نے اپنی ایک مشہور غزل کے مقطع میں یوں سخن آفرینی کی تھی کہ۔

اُردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

اب تک کی لسانی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ داغ نے جس اُردو پر ناز کیا تھا وہ یہ اُردو نہ تھی۔چنانچہ حافظ محمود شیرانی سے لے کر موجودہ زمانے کے لسانی محققین کی اکثریت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ہندوستان کی نسبت اسے ہندی یا ہندوی

کہا جاتا رہا ہے۔اس نام کی شہادت قدیم لغات اور ادبی تصانیف میں بھی ملتی ہے۔

ریختہ

غالبؔ نے میر کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہا تھا کہ۔

ریختہ کے تم ہی استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا

دراصل ریختہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔جو مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔مثلاً بنانا ،ایجاد و اختراع کرنا، نئے سانچے میں ڈھالنا،اور موزوں کرنا وغیرہ۔لیکن ہندوستانی ادبیات میں بالکل نئے معانی میں استعمال کیا گیا۔اُردو کے نغمے جب راگ رنگ کی محفلوں میں سماں باندھنے لگے تو اسے ریختہ کہا جانے لگا۔چنانچہ بعد میں مختلف زبانوں اور بولیوں کے اختلاط کی بناء پر بطور استعارہ اُردو کو بھی ریختہ کہا جانے لگا۔مولانا محمد حسین آزاد اپنی تصنیف ''آبِ حیات'' میں ریختہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔''اسی زبان کو ریختہ بھی کہتے ہیں۔کیونکہ مختلف زبانوں نے اسے ریختہ کیا ہے۔جیسے دیوار کو اینٹ،مٹی،چونا،سفیدی وغیرہ سے پختہ کرتے ہیں۔یا یہ کہ ریختہ کے معنی ہیں۔''گری پڑی پریشان چیز'' چونکہ اس میں الفاظ پریشان جمع ہیں۔اس لئے اسے ریختہ کہتے ہیں۔(آبِ حیات از مولانا محمد حسین آزاد سنگِ میل پبلیکیشنز لاہور) اُردوئے معلّٰی۔دہلی کا پہلا مسلمان حکمران قطب الدین ایبک ابتدا میں شہاب الدین غوری کا غلام تھا۔وہ جلد ہی اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر فوج کا جرنیل بن گیا۔اس نے ۱۱۹۳ء میں دہلی پر قبضہ کرلیا۔اسی فوج کے متعلق ہمیں لفظ اُردو کا استعمال تاریخی کتب میں نظر آتا ہے۔اس لشکر کو اُردوئے معلّٰی یعنی عسکرِ اعلیٰ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔اسی مناسبت سے یہ نام اُردو زبان کو بھی دیا گیا۔جو مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ صرف اُردو ہی رہ گیا۔محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:

''ترکی میں اُردو بازارِ لشکر کو کہتے ہیں۔اُردوئے شاہی اور دربار میں ملے جلے الفاظ زیادہ بولتے تھے۔وہاں کی بولی کا نام اُردو ہوگیا۔''

(آبِ حیات از مولانا محمد حسین آزاد بحوالہ اُردو ادب کی مختصر تاریخ ص ۴۹)

میر تقی میرؔ کے صاحبزادے میر کلو عرشؔ سے جو شعر منسوب ہے اس میں بھی اُردو زبان کو ''اُردوئے معلّٰی'' ہی کہا گیا ہے۔

ہم ہیں اُردوئے معلّٰی کے زبان دان اے عرشؔ
مستند ہے جو ارشاد کیا کرتے ہیں

(اُردو ادب کی مختصر تاریخ از ڈاکٹر سلیم اختر ص ۵۶)

دیگر مختلف نام

اُردو کے مختلف ناموں کے ضمن میں اکثر ماہرین لسانیات اس بات پر متفق ہیں کہ مختلف صوبوں اور علاقوں کی نسبت سے اُردو بعض اوقات دکنی، گجراتی، گوجری، لاہوری، دہلوی، ہریانی، ہندوستانی اور پنجابی وغیرہ کہلاتی رہی ہے۔ارتقائی مدارج طے کرتے ہوئے اب صرف اُردو ہی کا لفظ مروج ہے۔اور باقی سب متروک قرار پا چکے ہیں۔اس ساری بحث کے آخر پر فرازؔ کا شعر یاد آ رہا ہے۔جو اس حوالے سے انتہائی موزوں ہے کہ۔

ہم کو اچھا نہیں لگتا کوئی ہم نام ترا
کوئی تجھ سا ہو تو نام بھی تجھ سا رکھے

(ماخوذ)

ٹیکنالوجی کی دنیا سے مفید خبریں

(مرسلہ: زکریا ورک،کینیڈا)

پلاسٹک کی بوتلیں اور مائیگرین

امریکہ میں ہونے والی تحقیق کے مطابق پانی پینے کیلئے پلاسٹک کی بوتلوں کا استعمال انسان کو آدھے سر کا درد دیتا ہے۔پلاسٹک میں استعمال ہونے والا کیمیکل انسان کے موٹاپے اور دل کے امراض کا باعث بھی بنتا ہے۔

جامن ذیابیطس کیلئے مفید

جامن ہندوستان،ملایا،اور چین میں ایک عرصے سے کاشت کیا جا رہا ہے۔دیسی طریقہ علاج میں ذیابیطس کیلئے جامن کا استعمال مفید تسلیم کیا جاتا ہے۔جامن کے نوخیز اور تازہ پتوں کا جوشاندہ پینا نظام ہضم کے انزائمز کی پیداوار بڑھاتا اور جگر کو متحرک کرتا ہے۔برصغیر ہندوستان سے باہر ممالک میں جامن کا جوس ملتا ہے جو کہ مفید ہے۔میں بھی اس جوس کو استعمال کررہا ہوں۔vedicjuice.com یا جامن اور کریلے کا ایک بوتل میں مکس جوس بھی ملتا ہے۔

آبزرویشن پلیٹ فام

شکاگو کی ایک عمارت میں حیران کن پلیٹ فارم ایک ہزار فٹ کی بلندی پر بنایا گیا ہے جو شیشے کا بنا ہوا ہے۔ہائیڈرالک لفٹ سسٹم کی مدد سے یہ پلیٹ فارم ۳۰ ڈگری زاویے تک جھک جاتا ہے۔ایڈونچر پسند لوگ اس کے ذریعہ پورے شہر کا نظارہ کر سکتے ہیں۔اس کے اندر بیک وقت آٹھ افراد کھڑے ہو سکتے ہیں۔

شمسی توانائی سے چلنے والا کولر

امریکی کمپنی نے ایسا مشروبات کو ٹھنڈا کرنیوالا کولر متعارف کیا ہے جس کے اوپر سولر پینل لگا ہوا ہے جو بجلی پیدا کر کے کولر کے اندر مشروبات کو ٹھنڈا رکھتا ہے۔اس کے ذریعہ موبائل فون اور لیپ ٹاپ بھی چارج کیا جاسکتا ہے۔

سم بینڈ گھڑی Sim band watch

کورین کمپنی سیم سنگ نے سم بینڈ نام کا آلہ تیار کیا ہے جسکو عام گھڑی کی طرح بازو پر پہنا جاتا ہے۔اس کے ذریعہ نبض کی رفتار، جسم کا درجہ حرارت، خون میں آکسیجن کی مقدار، جسم میں نمی جیسی طبی معلومات فراہم کی جاسکتی ہیں۔

خشکی اور پانی پر چلنے والی کار

جاپانی کمپنی نے ایسی کار تیار کی ہے جو بجلی کی مدد سے ۲۴ گھنٹے پانی پر تیر سکتی ہے۔خشکی پر بیٹری چارج کرنے پر یہ ایک سو کیلومیٹر سفر کرسکتی ہے۔زمین پر سفر کے دوران اگر پانی آجائے تو تیرنا شروع کردے گی۔

سمارٹ فون کے بعد سمارٹ انگوٹھی

ایک جدید انگوٹھی رنگلی Ringlee نام کی تیار کی گئی ہے جو کسی بھی جدید الیکٹرانک آلے کی طرح کام کرتی ہے۔بلیوٹوتھ ٹیکنالوجی کے ذریعہ یہ موبائیل فون سے رابطے میں رہے گی، جونہی کسی کا فون آئیگا یہ وائبریٹ کرنے کے بعد مخصوص روشنی دکھائے گی۔حیرت انگیز تھری ڈی پین

برطانوی کمپنی نے ایسا تھری ڈی پین متعارف کیا ہے جو دنیا کا مختصر ترین پرنٹنگ پین ہونے کیساتھ تھری ڈی پینٹنگ اور فن پارے بنانے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔اس کا وزن اور سائز عام بال پوائنٹ پین جتنا ہے۔یہ دنیا کا واحد پین ہے جس کے ذریعہ عام سطح پر یا ہوا میں آرٹ کے فن پارے بنائے جاسکتے ہیں۔اس کو استعمال کرنے کیلئے کمپیوٹر سے منسلک کرکے پلاسٹک کو اس پین میں ڈالا جاتا ہے جس کا الیکٹرک ہیٹر اس کو پگھلا دیتا ہے جس سے چند منٹوں کے بعد تصویر تیار ہوجاتی ہے۔

ٹیلی فون میں تھری جی 3G اور فور جی ٹیکنالوجی 4G

آج کل فون میں ٹو جی 2G ٹیکنالوجی زیر استعمال ہے جس کے ذریعہ ہم ٹیلی فون کرسکتے، پیغامات بھیج سکتے اور کم رفتار کا انٹرنیٹ استعمال میں لا سکتے۔لیکن اس میں آڈیو ویڈیو ٹیکنالوجی، ویڈیو سٹریمنگ، اور ٹیلی ویژن نہیں دیکھا جاسکتا ہے۔جی سے مراد جنریشن، یعنی موبائل فون کی نسل ہے۔تھری جی 3G ٹیکنالوجی رفتار میں کئی گنا تیز ہوگی جبکہ فور جی 4G کی رفتار بیس گنا زیادہ آگے ہوگی۔تھری جی ٹکنالوجی سے فائدہ اٹھانے کیلئے خاص فون کا ہونا ضروری ہے۔تھری جی کو سپورٹ کرنیوالے فون اب دستیاب ہیں۔اس ٹیکنالوجی کی مدد سے اب ہم فون پر ٹیلی ویژن دیکھ سکتے، ویڈیو سٹریمنگ، ویڈیو کانفرنسنگ، ہائی سپیڈ انٹرنیٹ اور دیگر لاتعداد سروسز سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

پارکنسنز اور پیدل چلنا

نیویارک میں نئی تحقیق کے مطابق پارکنسنز میں مبتلا اشخاص اگر پیدل چلنے کو اپنا معمول بنالیں تو بڑی حد تک دماغ کی اس بیماری کو دور کیا جاسکتا ہے۔پارکنسنز میں انسان کا اعصابی نظام شدید طور پر متاثر ہوتا ہے۔انسان جسم کے اعضاء کو حرکت دینے پر قادر نہیں رہتا۔اس کی علامات مسلسل کانپنا، اعضاء کو مکمل طور پر حرکت نہ دے سکنا، اور پیدل چلنے میں تکلیف شامل ہیں۔پارکنسنز میں ورزش کرنا اتنا ہی اہم ہے جتنا کہ دوائی لینا۔

دالیں بلڈ پریشر کیلئے سودمند

کینیڈا میں ہونے والی سائنسی تحقیق کے مطابق دالوں کا کھانے میں استعمال ہائی بلڈ پریشر کیلئے نہایت سودمند ثابت ہوسکتا ہے ماہرین غذائیات کے مطابق دالیں انسانی خون کو صاف کرتی ہیں۔جس سے بلڈ پریشر کا خطرہ ٹل جاتا اور انسان خون کی دیگر بیماریوں سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

سب سے لمبی موٹر سائیکل

چین میں نئی موٹر سائیکل تیار کی گئی ہے جو 2.5 میٹر (۱۷ فٹ) لمبی ہے اور اس پر آٹھ سے زائد افراد بیٹھ سکتے ہیں۔

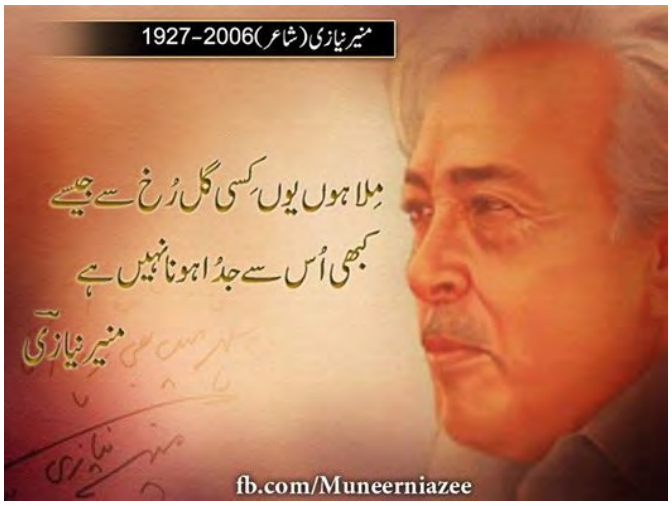

میثم علی آغا....غزل

کب ہم نے یہ چاہا تھا تا عمر ٹھہر جاتے
کچھ خواب تھے پلکوں کی دہلیز پہ دھر جاتے
یخ بستہ ہوائیں تو کہتی تھیں پلٹ جاؤ
تم خود ہی ذرا سوچو گھر ہوتا تو گھر جاتے
ہم پر تو مقفل تھا ہر شہر کا دروازہ
وہ کرب کی راتیں تھیں تم ہوتے تو مر جاتے
اک بار محبت سے آواز تو دی ہوتی
سو بار محبت میں ہم جان سے گزر جاتے
ملنا نہیں ممکن تھا رستہ ہی بدل لیتے
دل میں نہ اُترنا تھا،دل سے ہی اُتر جاتے
صد شکر کہ مٹی کی آغوش ملی میثمؔ
ایسا بھی نہ گر ہوتا انسان کدھر جاتے

استاد قمر جلالوی....غزل

تجھے کیا ناصحا احباب خود سمجھائے جاتے ہیں
ادھر تو کھائے جاتا ہے اُدھر وہ کھائے جاتے ہیں
کہیں بیڑی اٹکتی ہے کہیں زنجیر اُلجھتی ہے
بڑی مشکل سے دیوانے ترے دفنائے جاتے ہیں
انہیں غیروں کے گھر دیکھا ہے اور انکار ہے اُن کو
میں باتیں پی رہا ہوں اور وہ قسمیں کھائے جاتے ہیں
خدا محفوظ رکھے نالہ ہائے شامِ فُرقت سے
زمیں بھی کانپتی ہے آسماں بھی تھرائے جاتے ہیں
کوئی دم اشک تھمتے ہی نہیں ایسا بھی کیا رونا
قمرؔ دو چار دن کی بات ہے وہ آئے جاتے ہیں

ڈاکٹر نثار ترابی....غزل

دل سودائی کو پیکار میں رکھ آئے ہیں
ہم کہانی کو بھی کردار میں رکھ آئے ہیں
تو نے بخشی ہے محبت کی علمداری اُنہیں
جو ترے پیار کو بازار میں رکھ آئے ہیں
تیز شعلوں کو ہوا دینے سے جاں لرزاں تھی
اپنی حدّت ترے رُخسار پہ رکھ آئے ہیں
ہم اناؤں کے طلبگار سخی تھے اتنے
شبِ وعدہ ترے انکار پہ رکھ آئے ہیں
خوشبوئیں ساتھ نبھانے کو چلی آئیں تھیں
پھول کو پھول کے اقرار میں رکھ آئے ہیں
باس جتنی تھی گلِ ناز پہ واری ہم نے
رنگ جتنے تھے وہ گلزار میں رکھ آئے ہیں
وہ جو اک تیرے بچھڑنے کی گھڑی تھی اسکو
کب کا ہم عمرِ طلبگار میں رکھ آئے ہیں
وہ جو اک لمحہء جاں سوز تھا حاصل تیرا
اس کو بھی وقت کی رفتار میں رکھ آئے ہیں

عابد ودود بریڈفورڈ....غزل

وہ رونقیں ہیں نہ خوشبو نہ وہ اُجالا ہے
یہ کس نے شہر سے مہکار کو نکالا ہے
جو بے دریغ تہہ تیغ کرنے والا تھا
خود اس کے ہاتھ میں زہر کا پیالہ ہے
وہ میری فکر کے پیکر میں ڈھل نہیں سکتا
وہ جس کو شعر کے سانچے میں میں نے ڈھالا ہے
وہ بھیک دے تو قصیدے سُنے سخاوت کے
یہ میرے شہر کا حاتم بھی کیا نرالا ہے
کسی کو قتل کیا تیغ میرے ہاتھ میں دی
یہ سوچ کر کہ شاعر تو بھولا بھالا ہے
میں اپنے لفظوں پہ نازاں نہ ہوں تو کیوں عابدؔ
کہ حرف حرف مری ذات کا حوالہ ہے

یشب تمنا....غزل

جانے کیا دل کو ہوگیا ہے اب
مجھ کو حیرت سے دیکھتا ہے اب
خود سے سچ بولنے کی باری ہے
کتنا مشکل یہ مرحلہ ہے اب

کون ہوں میں کہاں سے آیا ہوں
مجھ سے آئینہ پوچھتا ہے اب
سب ملاقاتیوں سے رُخصت ہے
خود سے ملنے کا سلسلہ ہے اب
تو ہی مل جا کہ تیری بستی میں
راستہ مل نہیں رہا ہے اب
دل کہ پہنچا ہے ایسی منزل پر
درد ہمدرد بن رہا ہے اب

سلیم فگار لندن....غزل

نارسائی کی یہ حسرت نہیں جانے والی
تجھ سے دوری کی شکایت نہیں جانے والی
تجھ کو دیکھا تو کئی اسم کھلے ہیں مجھ پر
اب میری آنکھ سے حیرت نہیں جانے والی
میں فلک زاد تھا اور خاک کے اس پیکر میں
کیوں ہوا قید، یہ ذلت نہیں جانے والی
دل میں آتے ہی سبھی حرفِ سخن کرتے ہیں
اب تو اظہار کی قدرت نہیں جانے والی
ہائے میں رو نہ سکا جس گھڑی رونا تھا
بے بسی کی یہ اذیت نہیں جانے والی
روز خورشید نیا اِذنِ سفر دیتا ہے
میری قسمت سے یہ ہجرت نہیں جانے والی

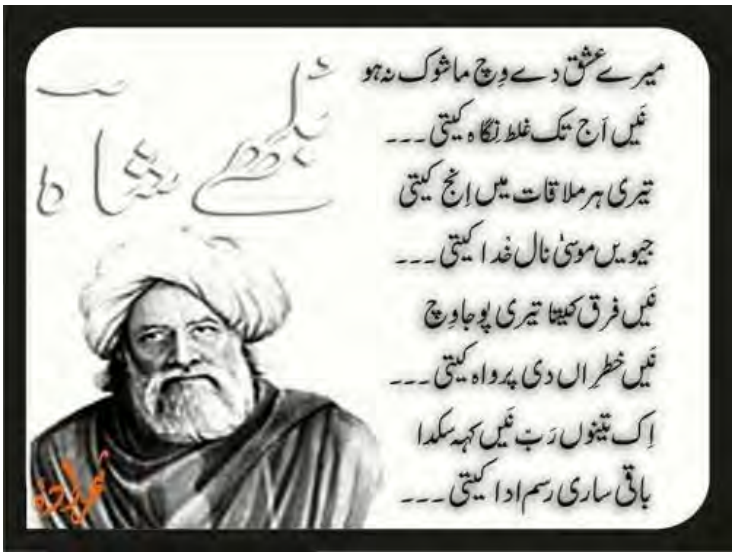

سوہن راہی - ایک بڑا گیت کار

افتخار عارف لکھتے ہیں:

سنگیت کی ست رنگی بارشوں اور پنجاب کے پوتر پانیوں سے دُھلی ہوئی میٹھی اور مدھر زبان میں لکھے گئے گیت سوہن راہی کی میٹھی ثروت مندی کی گواہی دیتے ہیں۔ چالیس برسوں سے زیادہ کو محیط فن کے سفر میں سوہن راہی نے ۹ شعری مجموعے تخلیق کئے ہیں۔ ہر کتاب پچھلی کتاب سے آگے کی منزلوں کا پتہ دیتی ہے۔ سوہن راہی نے غزلیں بھی لکھی ہیں۔ نظمیں بھی لکھی ہیں اور گیت بھی۔ سچی بات یہ ہے کہ انہوں نے ایک سطح پر تمام صنفِ ادب میں ہنر پر اپنی دسترس کا ثبوت دیا ہے۔ مگر راہی کا اصل تخلیقی جوہر گیتوں میں اپنے رنگ دکھاتا ہے۔ اُردو میں دیگر اصناف شعر کے مقابلے میں اچھے گیت کاروں کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ اس کے کچھ تہذیبی اسباب بھی ہونگے۔ مگر کچھ گیت نگار ایسے ضرور ہیں۔ جنہوں نے اس فن میں بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ آرزو لکھنوی، حفیظ جالندھری، قتیل شفائی، اور نگار صہبائی کے بعد سوہن راہی اُردو گیت نگاری میں ایک بڑا نام ہے۔ گیت کی صنف کے اپنے کچھ تقاضے ہیں۔ مگر جیسے دوسرے اصناف ادب میں جان دار لکھنے والوں نے اپنی اپنی صنف میں ترقی کی ہے۔ سوہن راہی نے بھی گیت کے کینوس کو بڑی وسعت اور کشادگی عطا کی ہے۔ سوہن نے صرف نیا بننے کے لئے گیت میں نئے رنگ نہیں بھرے۔ بلکہ اس کے اندر چھپے ہوئے سُر سنگیت سے سوتوں سے گیت کی نئی دنیائیں تخلیق کی ہیں۔ جس کے لئے پوری دنیا کو سوہن راہی کا احسانمند ہونا چاہیئے۔ برطانیہ میں رہتے ہوئے سوہن راہی کو چالیس برس ہو گئے ہیں۔ ذرائع ابلاغ کے ایک ادارے سے وابستہ ہونے کے سبب وہ ادب کے جدید قرینوں سے واقف ہیں۔ مگر انہوں نے برّصغیر کی کلاسیکی شعری روایت سے بھی اپنا رشتہ جوڑے رکھا ہے۔ اور سُر سنگیت کے سلیقے اور قرینے بھی یاد رکھے ہیں۔ جن کے بغیر گیت کی صنف کو وجود ادھورا رہ جاتا ہے۔ سوہن راہی کا کلام دنیا کے مختلف ممالک میں شائع ہونے والے ادبی رسائل میں چھپتا رہتا ہے۔ متعدد مجموعے بھی سامنے آچکے ہیں۔ مگر کلام یکجا ہو کر سامنے آئیگا تو اُردو کے عالمی منظر نامے میں ان کے قدوقامت کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔ اور اُردو شاعری کے عصری سرمائے میں گیت نگار سوہن راہی ایک نمایاں حیثیت سے سامنے آئیں گے مجھے اس کا پورا یقین ہے۔

افسانہ

جس تن لاگے

(طلعت سلیم)

خالہ فہمیدہ کا خط پردیس میں اس کے بلکہ گھر بھر کے لئے ان کے اخبار کی حیثیت رکھتا تھا ہر ایک کے متعلق کوئی چھوٹی بڑی موٹی خبر ضرور لکھی ہوتی۔اماں کے انتقال کے بعد بس اب وہی اسے خط لکھنے والی تھیں۔لگتی لگاتی تو کچھ نہ تھیں۔بس ذمہ داری کے ناتے انہوں نے سمند پار بیاہی یتیم ویسیر بچی کے لئے گویا میکے سے رشتہ استوار رکھا تھا۔اسے ان کے خط کا بہت انتظار رہتا۔ایک شوق کے عالم میں اس کی راہ تکا کرتی۔گھر میں آتے ہی سارے کام چھوڑ چھاڑ کر اسے لے بیٹھتی۔پھر فاروق کی باری آتی پھر دن بھر گھر میں اس کا تذکرہ ہوتا رہتا۔دل خوش کرنے والی،دل اُداس کر جانے والی خبروں،باتوں پر تبصرہ کرتے رہتے۔یہ آج خط آنے پر نہ تو اس پر لکھی ہوئی چھوٹی موٹی خبر پر تبصرہ ہوا نہ تذکرہ۔دن بھر موضوع بحث رہا۔خط کے آخر پر یاد آجانے پر کونے پر چھوٹا سا فقرہ،اسلم نے دوسری شادی کر لی ہے۔باہر ہی،اگلے ماہ تمہارے پاس ہالینڈ سے ہوتا ہوا پاکستان آئے گا۔اسلم اس کی خالہ زاد بہن فرحت کا چھوٹا بھائی تھا۔فرحت نے چند دن پہلے خط لکھا تھا۔۔اسلم عنقریب پاکستان جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔جاتے جاتے شاید آپ لوگوں سے ملتا جائے۔پچھلے دو تین ماہ سے کوئی خیر خبر نہ آئی تھی۔اور آج یہ فہمیدہ کے توسط سے آئی بھی تو کیسی؟۔خالہ مرحومہ نے اسے ماں کا سا پیار دیا تھا۔اور فرحت گویا ایک اکلوتی بہن تھی اس کی۔اور تھا ہی کون؟ اب اسی فرحت،اسی عزیز از جان فرحت کے شوہر نے دوسری شادی کر لی تھی۔اس کے دل پر گویا تیر سا لگا۔نازک کومل،دھان پان سی فرحت،ہائے کیا بیت رہی ہوگی۔اس کے دل پر؟اسے اسلم پر بے طرح غصہ آنے لگا۔کیڑے پڑیں کمبخت کے مُردے میں۔میری بہن کو چھوڑ ڈالا۔خط کو مروڑ توڑ کر بن میں پھینکتے ہوئے وہ روہانسی ہو کر اسے کوسنے لگی۔"پچاس کے پیٹے میں چلا ہے چھیل چھبیلی کے سنگ چونچلے بگھارنے۔جوان بچی کی ہی شرم کرتا۔" کیا فضول کا واویلا ہے کون سا غیر شرعی کام کیا ہے۔؟ فاروق خواہ مخواہ اس کی حمایت میں گرم ہونے لگا عزت سے نکاح کر کے لایا ہے۔بیوی بنا کر۔۔۔۔۔آپ کا کیا رشتہ ہے جو حمایتی بن رہے ہیں۔اس کے؟ میری بہن ہے اس کے سر پر سوکن لا بٹھائی ہے۔کیوں نہ کروں واویلا مجھے درد ہے اُس کا۔" "کون سی تلوار جھونک ڈالی ہے اس نے اُسنے،یہ تم عورتوں کا دماغ خراب ہے۔بس مرد،دوسری لایا اور پہلی تمہارے حسابوں اُجڑ گئی۔برباد ہوگئی۔اسلام میں چار کی اجازت ہے کیا ہے جو دوسری کر لایا وہ" "ہاں ہاں کیا ہوا؟ جو دوسری کر لایا۔کچھ بھی نہیں،صرف یہ کہ ہنستا بستا گھر اُجڑے گا۔بچے برباد ہونگے،پرائے ملکوں میں یونہی اولاد کی اُٹھان سوسو قیامتیں برپا کرتی ہے۔اپنی جان مار کر تربیت کرتے ہوئے بھی کیا کیا طوفان اُٹھتے ہیں۔دوہری دوہری تہذیبوں کے چکر میں۔کھچڑی سر کے ساتھ خود رنگ رلیاں منانے بیٹھ جاؤ تو کیا بچے برباد نہ ہونگے؟" "برباد کیوں ہونگے،قحبہ خانہ کھول بیٹھا ہے وہ گھر میں کیا؟ جو بچوں کے بگڑنے میں ہلکان ہونے لگی ہو،ہزاروں کماتا ہے ہر آرام و آسائش میسر ہے گھر بھر کو ایک نئی عورت کے آنے سے کون سی آفت ٹوٹ پڑے گی؟ اب وہ ادھر سے ہو کر جانے والا ہے۔اس کے آنے پر نہ واویلا کرنے بیٹھ جانا۔خبردار جو کوئی بات منہ سے نکالی!" "ہماری کون سی جائیداد کا بٹوارہ ہے جو ڈر سے منہ نہ کھولوں یہاں قدم رکھ کر دیکھے چھٹی کا دودھ نہ یاد دلا دوں تو کہیئے۔" "تم کون ہوتی ہو کہنے والی؟ میرا گھر ہے وہ میرا مہمان بن کر آئے گا۔" اور اس کے ہاتھوں اُجڑنے والی،میری بہن ہے۔ایک اکلوتی بہن جس نے اسے دکھ دیا مجھ سے سُکھ نہ پائے گا اس کا دشمن میرا ویری۔" "رہنے دو یہ سارے بیر اور خدا واسطے کی دشمنیاں۔یونہی پنجے جھاڑ کر پڑ گئی ہو غریب کے پیچھے۔ایسا کون سا ستم ڈھایا اس نے دوسری شادی کر کے؟ کون سی انہونی کر دی؟" ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر کہیئے۔ایسا ہی ناکردہ گناہ ہے کیا؟ وہ جو وطن میں بے آسرا بیوہ ماں کو چھوڑ کر بیاہ کے چوتھے روز جہیز کا سامان بیچ بچا کر پردیس میں اس کے ہمراہ اس کے ہمراہ آ کر گھر بسانے کی جدوجہد میں بیل کی طرح جُت گئی تھی بچوں کے ساتھ فیکٹری میں جان ماری،گھر بار سنبھالا،دن رات ایک کر کے بچوں کو پالا،پروان چڑھایا،اب کچھ سُکھ کے دن آئے۔چار پیسے ہاتھ آنے پر کچھ کایا پلٹی تو اس کی تپسیا بھلا راجہ اندر نئی عورت کے ہمراہ نئی سیج سجا بیٹھے۔" "نئی عورت،نئی عورت،کیا لگا رکھی ہے؟ بیوی ہے اس کی۔بھگا لایا ہے کیا؟ جو اس کی جان کے درپے ہو رہی ہو؟ اسلام نے چار کی اجازت دی ہے۔وہ چاہے تو وہ دو اور...." "یہ اسلام اسلام کیا کئے جاتے ہیں آپ؟" وہ زخمی ناگن کی طرح پھنکاری۔اس بدبخت نے کبھی نماز نہ پڑھی نہ روزہ رکھا زکوٰۃ ہزاروں کی کمائی سے کبھی نہ نکلی۔خدا رسول ﷺ کے نام پر ٹھٹھے لگاتے،ان کے نام پر لطیفے گھڑتے آپ نے خود اسے سنا،جزا و سزا کا وہ منکر،خدا کے خوف سے وہ عاری،شراب کا وہ رسیا،اب چلا ہے اسلام کے نام پر وہ دوسری بیوی کرنے،سال ہا سال پہلے دوستی میں گلچھرے اُڑاتے ہوئے بڑی یاد آتی ہوگی اسلام کی۔" "بس چُپ کرو....کہاں ہے وہ خط،دینا ذرا۔کیا لکھا ہے کب آ رہا ہے؟...." "خط گیا چولہے میں۔وہ نہیں آ سکتا یہاں،ہاں رشتہ ہی کیا رہا اس مردود سے؟ میری بہن کے ناتے آتا تھا اس گھر میں۔" "تو کون سا ٹوٹ جاتا ہے وہ ناتا؟ تمہاری طرح ایڑھی میں عقل ہونے کی وجہ سے خود ہی طلاق لے کر رشتہ توڑ بیٹھی ہو تو اور بات ہے۔سمجھ میں نہیں آتا۔یہ عرب وغیرہ میں گھر گھر چار چار عورتیں ہنسی

خوشی رہتی ہیں یہ ہماری عورتیں کیوں قیامت برپا کرنے لگ جاتی ہیں؟'''' وہ چار چار ماؤں والے گھر سے چار چار ساسوں والے گھر میں آتی ہوں گی۔ نہ میری چار مائیں تھیں نہ چار ساسیں آگے کو ملیں۔ بس ہمیں نہیں اچھا لگتا یہ سب کچھ۔'''' ہاں تم پر کون لا رہا ہے کسی اور کو، جو پتنگے لگے جاتے ہیں تمہیں؟ قاضی جی دبلے شہر کی فکر میں، بات فرحت کی ہے....'''' فرحت میری بہن ہے وہ بات کاٹتے ہوئے غرّائی۔ میرا خون ہے میرے دل میں درد ہے اُس کا۔'''' تو کون سے خنجر چل گئے ہیں اس پر؟ سمجھ میں نہیں ٹرن ٹرن ٹرن.... ارے دیکھنا! فون ہے۔ فقرہ ادھورا چھوڑ کر اس نے خود ہی لپک کر چونگا اُٹھایا'' ہیلو، ہیلو رضوان! کیسے ہو بھئی؟ رضوان فاروق کا چھوٹا بھائی تھا۔ وہ ٹپ ٹپ گرتے ہوئے آنسوؤں کو دوپٹے کے پلو سے پونچھتے ہوئے باورچی خانے کی طرف چلی۔۔ پھر رُک گئی۔ رضوان بھائی ہیں۔ یہ تو پاکستان سے

کال ہوگی۔ فاروق بولے جا رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آن کھڑی ہوئی۔'' اسلم نے؟ ہاں خالہ فہمیدہ کا خط آج ہی آیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ نجمی کو۔ کیا کہا اسلم؟ اپنی راشدہ کا شوہر۔ ہم تو جرمنی والا اسلم سمجھے، فرحت کا شوہر۔۔'' اسے محسوس ہوا جیسے فاروق کی آواز کپکپا رہی ہو۔ یہ دو دو اسلم جو نام تھے۔ بڑا مغالطہ ہو جایا کرتا تھا ان کے معاملے میں۔'' تو یہ اسلم کی بات تھی فاروق کی بہن راشدہ کا شوہر'' اس نے ٹھٹھک کر فاروق کی طرف دیکھا وہ سر جھکائے ہاتھ میں چونگا تھامے خاموشی سے رضوان کی زبانی جانے کیا کیا سنے جا رہا تھا۔ سنتے سنتے یکبارگی اس کا چہرہ غصے سے تمتما اُٹھا'' بھاڑ میں جائے وہ! میں کہتا ہوں اسے یہ سوجھی کیا؟، وہ دہاڑنے لگا فون پر۔ سر توڑ دیں گے نامراد کا۔ رشو سے کہنا بالکل نہ گھبرائے۔ میں خود پہنچتا ہوں وہاں۔ کر رہا ہے یا کر لی ہے۔ ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کر بیٹھا ہے۔ تو کھڑے نکلوا دیں ورنہ سمجھ لیں گے۔ کیا سمجھ رکھا ہے؟ بچہ جی نے ہماری بہن کو۔ اس کے ہوتے کسی کی مجال ہے اس گھر میں قدم رکھے۔ میں کہتا ہوں سیٹ بک کروا لو فوراً! کھال اُدھیڑ ڈھالیں گے کم بخت کی۔ کیا کمی ہے ہماری رشو میں۔ میں سمجھ لوں گا اس کمینے سے۔ ہماری بہن کے ہوتے...''

''نجمہ...!'' ادھر سے فون بند ہو جانے پر چونگا واپس پٹختے ہوئے وہ چلّایا۔ قریب ہی تو کھڑی تھی۔ وہ۔'' ایک گلاس پانی دینا ذرا'' ڈوبتی سی آواز میں یہ کہتے کہتے لمحہ بہ لمحہ زرد ہوتے چہرے کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے سر سنبھالے وہ صوفے پر آن گرا۔

ایسی تنہائی

ایسے اجاڑ سفر میں کون میرے دکھ بانٹنے کو میرے ساتھ چلے گا۔ یہاں تو ہوا کے تھپے ہوئے جھونکے بھی دبے پاؤں اترتے ہیں اور چپ چاپ گزر جاتے ہیں۔ یہاں کون میرے مجروح جذبوں پر دلاسوں کے پھائے رکھے، کس میں اتنا حوصلہ ہے کہ میری روداد سنے؟ کوئی نہیں۔ سوائے میری سخت جان "تنہائی" کے۔ تنہائی چونکہ میری خالی ہتھیلیوں پر قسمت کی لکیروں کی طرح ثبت ہے، میرے رت جگے کی نمگسار اور میری تھکن سے چور آنکھوں میں نیند کی طرح سما گئی ہے۔ ہوا مجھ سے برہم، سناٹا میرے تعاقب میں، مصیبتیں مجھ سے گریزاں اور شامیں میری آنکھوں پر اندھیرا باندھنے کے لیے منتظر اب کوئی چنگاری، کوئی کرن، کوئی آنسو یا پھر کوئی آس ہی مجھے دیر تک جینے کا حوصلہ دے سکتی ہے۔

(محسن نقوی کی کتاب "طلوعِ اشک" سے اقتباس)

خواجہ حنیف تمنا.... بنامِ وطن

وہ جو آرزو تھی نجات کی، اُسی ایک چاہ میں لُٹ گئے
ہوا عشق تجھ سے روا تو ہم، اُس کے نباہ میں لُٹ گئے
رُخِ ارضِ پاک اُٹھے قدم، چلے آئے کوئے بتاں سے ہم
یہ ہوا ستم کہ پہنچ کے ہم، تیری بارگاہ میں لُٹ گئے
اے وطن یہ کیا تیرے پاسباں، تیرے جاں فشاں تیرے کشتگاں
کہ قتل گاہ جو بچ گئے، وہ تیری پناہ میں لُٹ گئے
ترے عاشقوں کے تھے کارواں، شبِ تار میں بھی رواں دواں
کہ بام آکے مگر شبِ مہِ نیم ماہ میں لُٹ گئے
سبھی بے ہُنر، سبھی کج ادا، بنے معتبر، ہوئے ناخدا
تیرے سادہ لوحوں کی بات کیا، تیری واہ واہ میں لُٹ گئے

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ.... تسبیحِ محبت

میں نے برسوں عشق نماز پڑھی، تسبیحِ محبت ہاتھ لئے
چلی ہجر کی میں تبلیغ کو اَب، تری چاہت کی آیات لئے
اک آگ وہی نمرود کی ہے، میں اَشک ہوں اپنے ساتھ لئے
مجذوب ہوا دل بنجارہ، بس زخموں کی سوغات لئے
دل مسجد آنکھ مصلیٰ ہے، بیٹھی ہوں خالی ہاتھ لئے
اے کاش کہیں سے آجائے، وہ وعدوں کی خیرات لئے

محمد اسحاق اطہر جرمنی.... قوم کے معمار

پھر وطن کی ہے سیاست میں نیا اک انتشار
پھر سے پیدا ہوگیا ہے ہر طرف سے خلفشار
کس کی نظرِ بد کی زد میں ہے ہماری سر زمیں
امن کی دیوی نظر آتی نہیں ہے اب کہیں
جس طرف دیکھو ظلم کا ہی وہیں پہ راج ہے
خود نمائی، برتری کا سب کے سر پر تاج ہے
نظریاتی کشمکش میں کھو گئے ہیں لیڈران
چھیننے میں سب لگے ہیں کچھ نہیں کرتے ہیں دان
ہر طرف مہنگائی کے عفریت ہیں پھیلے ہوئے
اور بے چارے وطن کے لوگ ہیں سہمے ہوئے

جانے کس طرف سے آئے ہیں یہ خود کُش بمبار
ایک ہی پل میں بچھا دیتے ہیں لاشیں بے شمار
توپ کا گولہ کبھی جاتا ہے جانب چیف جج
اور وکلاء کا اچانک بینڈ بھی جاتا ہے بج
ہے کہیں روشن خیالی کی اندھیری روشنی
دوسری جانب بھی چپ کر کھڑے ہیں کچھ مولوی
ہیں سبھی مصروف حاکم اپنی بندر بانٹ میں
جو کوئی بولے تو آجائے ڈھیٹ اور ڈانٹ میں
جارہے ہیں جو گاڑیوں میں خود جو بکتر بند ہیں
مارتے جاتے ہیں بیچارے جو ضرورت مند ہیں
تھام لے رسی خفدا کی، ہے نہیں طاقت اُنہیں
پیار سے مل کر کھائے نہیں عادت اُنہیں
ہنس رہی ہے ساری دنیا قلعہ اسلام پر
اور ہم منقار اپنی ہیں چھپائے زیرِ پر
عقل و دانش دے انہیں یہ قوم کے معمار ہیں
یاالٰہی فضل کر اعوام تو لاچار ہیں

چودہری مقصودالرحمٰن فرانس....غزل

ڈوبتی ناؤ کے مسافرو
تم سنبھل جاتے تو اچھا تھا
رتیں بدلا کرتی ہیں بدل ہی جائیں گی
تم بھی کچھ بدل جاتے تو اچھا تھا
مسجدوں کی عزت نہ معابد کا احترام
تم عقل کو لوٹ آتے تو اچھا تھا
دیوار پہ لکھا ہے ظلم کا انجام
تم اس لکھے کو پڑھ لیتے تو اچھا تھا
انسانیت سے عداوت کے یہ انداز
تم نہ اپناتے تو اچھا تھا
کیا ہوا کرتا ہے آگ لگانے کا انجام
تم غور کر لیتے تو اچھا تھا
عجلت میں لے ڈالا میرے صبر کا امتحان
تم اس ہمالہ سے نہ ٹکراتے تو اچھا تھا
احمد کے متوالو! دن رات ظلم سہنے والو
تم سجدوں میں گر جاتے تو اچھا تھا
شہیدان چمن کو اس غریب الوطن کا سلام
ہم چل کے جو آ سکتے تو اچھا تھا

صادق باجوہ (میری لینڈ امریکہ)....غزل

یادوں کی تلخیاں نہ کبھی بھول پائے ہیں
مانا کہ تیر ہائے ستم ہم نے کھائے ہیں
میزانِ وقت کا ہی عروج و زوال ہے
اوجِ کمال ہے کبھی نکہت کے سائے ہیں
ذہنِ رَسا میں حُرمتِ انساں بسی ہے
کچھ پاسِ دوستاں ہے نہ،دشمن پرائے ہیں
ظلم و ستم مصائب دوراں کے باوجود
ہم نے تو دوستی کے تقاضے نبھائے ہیں
آباد بستیاں بھی اُجڑتی دکھائی دیں
ہرسُو مہیب ظلمت و وحشت کے سائے ہیں
کیا منصفی بھی نذرِ مفادات ہوگئی
پھر بے گناہ موردِ الزام آئے ہیں
ہم کھو چکے تھے مدّتوں سے اپنے آپ کو
جانے کہاں سے ہمیں آپ موڑ لائے ہیں
صادقؔ حیات و مرگ ہیں سانسوں کے مرحلے
یہ مرحلے بھی ہم نے مرادوں سے پائے ہیں

انور ندیم علوی....غزل

ہر خزاں دیدہ کو گلزار کیا ہے میں نے
زندگی! تجھ کو پیار کیا ہے میں نے
سر جھکانے کے عوض، شاہ عنایت کردے
ایسی دستار سے انکار کیا ہے میں نے
پیار انساں سے ہے جرم تو منصف سُن لے!
گرم اسی جرم کا بازار کیا ہے میں نے
''حق'' ہے بولی مری'' منصور'' قبیلہ میرا
یہی اعلان سرِ دار کیا ہے میں نے

جس کی خوشبو سے مہک اُٹھتی ہے ساری محفل
آج اُسے مائلِ گفتار کیا ہے میں نے
جو بھی اُس چاند کو چاہے؛ اُسے چاہو تم بھی
چاند چہروں سے بہت پیار کیا ہے میں نے
چشمِ خوابیدہ کو اس پیار کی شبنم سے ندیم!
کتنے ارمانوں سے بیدار کیا ہے میں نے

قطعہ....انور ندیم علوی

ہے فرازِ دار پر، تعزیر سے ڈرتا نہیں
سر ہے یہ ''منصور'' کا کٹتا ہے پر جھکتا نہیں
حرمتِ الفاظ پر ہے ناز مجھ کو اے ندیم!
آج تک کوئی قصیدہ شاہ کا لکھا نہیں

سنہری باتیں

☆ آزمائے ہوئے کی دوبارہ آزمائش کرنا اور ہر شیریں زبان کو دوست سمجھ لینا خطرناک ہے۔

☆ زندگی میں اگر کوئی پوچھے کہ کیا کھویا کیا پایا؟ تو بلا جھجک کہہ دینا چاہیئے کہ؛ جو کھویا میری نادانی اور جو پایا میرے رب کی مہربانی۔

☆ زمین انسان کو رزق دیتی ہے لیکن جب انسان مرتا ہے تو زمین ہی اُسے اپنا رزق بنا لیتی ہے۔

☆ پرندہ جب زندہ ہوتا ہے تو چیونٹیاں کھاتا ہے مگر جب پرندہ مر جاتا ہے تو چیونٹیاں اُسے کھاتی ہیں۔ وقت کبھی بھی بدل سکتا ہے۔

☆ ایک درخت ایک لاکھ ماچس کی تیلیاں بنا سکتا ہے مگر ماچس کی ایک تیلی ایک لاکھ درخت جلا سکتی ہے۔ زندگی میں کبھی کسے مت ستانا اُس وقت شاید آپ طاقتور ہوں مگر وقت آپ سے زیادہ طاقتور ہے۔

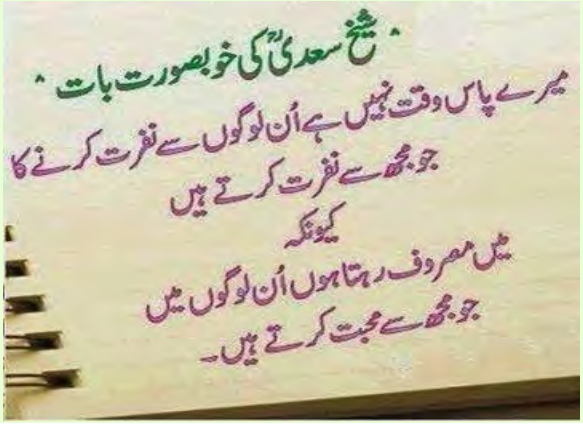

قابل غور اشعار....رجل خوشاب

سُنو! کوئی خریدار ہے نظر میں!
مفلسی کے دن ہیں وفا بیچنی ہے

ہم تو محبت میں بھی توحید کے قائل ہیں
ایک ہی شخص کو محبوب بنا رکھا ہے
چلو رکھتے ہیں ''وفا'' عنوانِ گفتگو
پھر دیکھتے ہیں محفل میں رہتا ہے کون کون

سیکھ موجوں سے اُلجھ کر جینے کا شعور
صرف ساحل پر رہنا زندگی نہیں ہوتا

انجام عشق سناتا ہوں ذرا توجہ سے سنیئے
مجبوریاں، رُسوائیاں، تنہائیاں پھر ''موت''

ہنسی آتی ہے مجھے حضرتِ انسان پر
گناہ کرتا ہے خود ،لعنت بھیجتا ہے شیطان پر

مجھے شہروں سے اندازہ ہوا ہے
درندے اَب نہیں ہیں جنگلوں میں

لکھنا تو تھا کہ خوش ہوں تیرے بغیر بھی
آنسو مگر قلم سے پہلے ہی گر گئے

جستہ جستہ

(عاصی صحرائی)

❁ بیٹیاں پھولوں کی طرح ہوتی ہیں اُن کی قدر کیا کرو کیونکہ یہ پھول آپ کے گھر کی زینت ہوتے ہیں۔

❁ والدین کی قدر کرو یہ ہمیشہ آپ کے پاس نہیں رہیں گے۔

❁ سچ کو دلائل کی ضرورت نہیں ہوتی۔

❁ وقت کا پتہ نہیں چلتا اپنوں کے ساتھ لیکن اپنوں کا پتہ چل جاتا ہے وقت کے ساتھ۔

❁ مولانا رُومیؒ نے فرمایا ہے کہ میں نے بہت سے انسان دیکھے ہیں جن کے بدن پر لباس نہیں ہوتا اور بہت سے لباس دیکھے ہیں جن کے اندر انسان نہیں ہوتا۔

❁ وقت کے ساتھ ساتھ۔ بہت کچھ بدل جاتا، لوگ بھی.. رشتے بھی.. احساس بھی.. اور کبھی کبھی ہم خود بھی...

❁ اُستاد بادشاہ نہیں ہوتا مگر بادشاہ بناتا ہے۔

❁ انسان کو کبھی اپنی اوقات نہیں بھولنی چاہیئے۔ ''معمولی'' سے ''خاص'' بننے میں لامحدود عرصہ لگتا ہے مگر ''خاص'' کو ''معمولی'' بننے میں ایک لمحہ ہی درکار ہوتا ہے۔

❁ اختلافات نظریات سے ہونے چاہیئیں شخصیات سے نہیں، اور اُن کی وضاحت دلیل سے کریں، تذلیل سے نہیں!!

❁ آج کا انسان اپنے دُکھ سے دُکھی نہیں بلکہ دوسروں کے سُکھ سے دُکھی ہے۔

❁ دو قسم کے دوستوں سے بچو، مصروف اور مغرور دوستوں سے۔ کیونکہ مغرور اپنی غرض سے اور مصروف اپنی مرضی سے یاد کرے گا۔

❁ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہم خدا کو ایک مانتے ہیں مگر بدنصیبی یہ کہ خدا کی ایک نہیں مانتے۔

❁ جس انسان میں ذاتی صفات نہ ہوں، وہ اپنے لباس سے لے کر اپنے مکان تک اور اپنی اپنی ہر شے کی تعریف چاہتا ہے۔

❁ انسان کی پہچان ''علم'' سے نہیں بلکہ اَدب سے ہوتی ہے کیونکہ علم تو ابلیس کے پاس بھی تھا مگر وہ اَدب سے محروم تھا۔

❁ حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کا ظرف آزمانا ہو تو اُسے زیادہ عزت دے دو، وہ اعلیٰ ظرف ہوا تو آپکو اور زیادہ عزت دے گا اور کم ظرف ہوا تو خود کو اعلیٰ سمجھے گا۔

❁ رشتے بھی پودوں کی طرح ہوتے ہیں جس طرح پانی نہ ملنے سے پودے مرجھا جاتے ہیں اسی طرح وقت اور پیار نہ ملنے سے رشتے بھی مرجھا جاتے ہیں۔

❁ دنیا کی ساری چیزیں ٹھوکر لگنے سے ٹوٹ جاتی ہیں۔ صرف انسان ہی وہ چیز ہے جو ٹھوکر لگنے کے بعد بنتا ہے۔

❁ آپ لوگوں کے لئے تب تک خاص ہیں جب تک اُنہیں آپ کا کوئی متبادل نہ ملے۔

❁ ایک درخت پر بہت اُلّو رہتے تھے جسکی وجہ سے درخت بہت پریشان رہتا تھا آخر ایک دن درخت کی پریشانی دور ہوگئی۔ جب اُس درخت کو کاٹ دیا گیا۔ درخت بہت خوش ہوا مگر درخت کی خوشی خاک میں مل گئی جب اُسی درخت کی لکڑی سے پاکستانی پارلیمنٹ کی کرسیاں بنادی گئیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ آج بھی اُن کرسیوں پر اُلّو ہی بیٹھتے ہیں۔

❁ دولت ہونے سے انسان اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اور دولت نہ ہونے سے لوگ اُسے بھول جاتے ہیں۔

❁ مولانا روم فرماتے ہیں کہ ''دل ایک آئینہ ہے اگر وہ بدی سے پاک ہے تو اس میں خدا بھی نظر آتا ہے۔''

❁ سقراط نے کہا ''اچھے دماغ کے لوگ خیالات پر، درمیانے لوگ مختلف تقاریب پر، جبکہ کمزور دماغوں والے، لوگوں پر تنقید کرتے ہیں۔

❁ نیلسن منڈیلا: غربت خیرات سے نہیں انصاف سے ختم ہوتی ہے۔

کبھی زنداں بناتے ہیں، کبھی ہم در بناتے ہیں
جو منظر دیکھتے ہیں، ہم وہی منظر بناتے ہیں
وہاں دیوارو در کی کوئی پابندی نہیں ہوتی
پرندے اس لئے، زاہد! شجر پر گھر بناتے ہیں

دلچسپ و عجیب.... امجد مرزا امجد

❁ ہاتھی اور چوہے کے دانت ساری عمر بڑھتے رہتے ہیں۔

❁ مینڈک ناک کے علاوہ کھال سے بھی سانس لیتے ہیں۔

❁ آسٹریلیا میں کوئی گلہری نہیں پائی جاتی۔

❁ اُلّو کو مغرب میں عقلمند جبکہ مشرق میں بیوقوف پرندہ سمجھا جاتا ہے۔

❁ کوّے کی آواز آسٹریلا میں موت کی خبر، نیوزی لینڈ میں شادی کا پیغام، پاکستان میں مہمان کی آمد سمجھی جاتی ہے۔

❁ عام طور پر ایک انسان اپنی زندگی میں ایک لاکھ چار ہزار چھ سو کلومیٹر پیدل چلتا ہے۔

”سب کچھ تری عطا ہے“

(ڈاکٹر عبدالکریم خالد کے تاثرات)

خواجہ عبدالمومن ناروے کے شعری مجموعہ سے متعلق فرماتے ہیں:

خواجہ عبدالمومن ناروے کی تخلیق شعر ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، اس کے لئے اِرتفاع ذہن کی خاص کیفیت اور عقل سلیم درکار ہے۔ اور اس کے ساتھ پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی، اس سے الگ جس کا جو جی چاہے کرے۔ اپنے زعم میں حرفوں کے تارو پود سمیٹ کر شعر کی مالا پرونے والے بہت ہوئے۔ مگر پذیرائی کا شرف کسی کسی کو نصیب ہوا۔ سہاگن وہی جو پیامن کو بھائے۔ خواجہ عبدالمومن صاحب کی شاعری جس در پر جا کر قبول ہوئی، وہاں قبولیت کا شرف حاصل کرنا نصیبوں کی بات ہے۔ یہاں فن کی باریکیاں اور ہنر کی زور آزمائیاں بہت پیچھے رہ جاتی ہیں۔ رمز و ایما اور حسنِ تغزل وہ مہین پردے ہیں جو منظر کو دھندلا کر کے قاری کو خود پردہ اُٹھانے کی زحمت دیتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے اپنے پڑھنے والوں کو صاف و شفاف منظر دکھائے ہیں۔ اور ایمان و ایقان کی منزل پر پہنچ کر جو اُجلی اور روشن تصویریں ملاحظہ کی ہیں وہ من و عن قاری کے دل پر اُتار دی ہیں۔ ”سب کچھ تری عطا ہے“ کتاب کا یہ نام اپنے اندر گہری معنویت رکھتا ہے۔ اور پڑھنے والوں کو اس مقام پر لا کھڑا کرتا ہے۔ جہاں قدرت کے عجائبات اور نیرنگیوں پر اُس کا یقین ہزار چند بڑھ جاتا ہے۔ خدا کا وجود ایک مجسم صورت اختیار کر کے اسے اپنی باہوں میں بھر لیتا ہے۔ اور وہ ہر نوع کے خطرے اور خوف سے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے۔ ”جذباتِ مومن“ کے بعد ”سب کچھ تری عطا ہے“ کی نمود اہلِ ذوق سے زیادہ اہل شوق کے لئے نویدِ مسرت اور ایک بادہء جاں فزا کا حکم رکھتی ہے۔ اللہ کرے خواجہ عبدالمومن صاحب کا قلم یوں ہی رواں رہے اور اُن کی عقیدتیں، محبتیں اہلِ ایمان کے دلوں میں سوز و گداز پیدا کر کے انہیں ایک ہی آستانے پر جھکائے رہیں۔ آمین۔

(ڈاکٹر عبدالکریم خالد لاہور)

غزل....عاصی صحرائی

جاتے جاتے وہ مجھے اپنی نشانی دے گیا
عمر بھر دہراؤں ایسی کہانی دے گیا
اس سے کہاں اچھی امید تھی
غم بھی شاید برائے مہربانی دے گیا
سب ہوائیں لے گیا میرے سمندر کی کوئی
اور مجھے کرنے بادبانی دے گیا
میں پیاسا رہا، پر اس نے اتنا تو کیا
چشم من کو وہ اشکوں کا پانی دے گیا
اس کی شدت فراق سے یہ تو ہوا
مجھے گفتار میں روانی دے گیا

لطیفہ

بیوی: سنا ہے کہ جنت میں بیوی کو شوہر کے ساتھ رہنے نہیں دیں گے۔

شوہر: صحیح سُنا ہے۔

بیوی: ایسا کیوں؟؟؟

شوہر: پگلی اسی لئے تو اُسے جنت کہتے ہیں۔

غیاث الدین عزّت (۱۷۸۶ء تا ۱۸۵۲ء)

(ابن راجپوت)

”غیاث اللغات“ کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔ وطن رام پور۔ مختلف علوم کے علاوہ طب بھی پڑھی۔ ایک مرتبہ تلاش معاش کے لئے لکھنو بھی گئے۔ باقی عمر درس و تدریس اور کتب کی تحریر میں رامپور میں ہی بسر کی۔ نواب کلب علی خان کی تعلیم پر مامور رہے۔ متعدد تصانیف ان کی یادگار ہیں۔ ”غیاث اللغات“ ”جوہر التحقیق“ ”شرح قصائد بدر چاچ“ جس پر نواب جاورہ نے آپ کو ایک ہزار روپے انعام دیئے تھے۔ شرح گلستان، شرح سکندر نامہ، شرح ابوالفضل، رسالہ عروض و قافیہ وغیرہ بھی لکھے۔

(اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا)

- جو دُکھ دے اُسے چھوڑ دو مگر جسے چھوڑ دو اُسے دُکھ مت دو۔
- دوست کو دولت کی نگاہ سے مت دیکھو۔ وفا کرنے والے دوست اکثر غریب ہوتے ہیں۔

عہدِ وفا....آدم چغتائی

جو عہد کیا اُس کو نبھانا ہی پڑے گا
حق بات پر اس سر کو کٹانا ہی پڑے گا
جب عشق کیا ہے تو مصائب سے گزر جا
اے دل تجھے ہر زخم اُٹھانا ہی پڑے گا
تقدیر کے لکھے کا مٹانا نہیں آساں
اُس در پہ سرِ شوق جھکانا ہی پڑیگا
کیوں اہل زمانہ سے ہوا دُور ہے آدمؔ
محفل میں تجھے لوٹ کے آنا ہی پڑے گا

بشیر بدر....غزل

خدا ہم کو ایسی خدائی نہ دے
کہ اپنے سوا کچھ دکھائی نہ دے
خطا وار سمجھے کی گی دنیا تجھے
اب اتنی زیادہ صفا ئی نہ دے
ہنسو آج اتنا کہ اس شور میں
صدا سسکیوں کی سنائی نہ دے
غلامی کو برکت سمجھنے لگیں
اسیروں ایسی رہائی نہ دے
ابھی تو بدن میں لہو ہے بہت
قلم چھین لے روشنائی نہ دے
مجھے ایسی جنت نہیں چاہیئے
جہاں سے مدینہ دکھائی نہ دے
خدا ایسے نام کا احساس ہے
رہے سامنے اور دکھائی نہ دے

امجد اسلام امجد....غزل

خوشبو کی پوشاک پہن کر
کوئی گلی میں آیا ہے!
کیسا یہ پیغام رسا ہے
کیا کیا خبریں لایا ہے!
کھڑکی کے باہر دیکھو
موسم میرے دل کی باتیں
تم سے کہنے آیا ہے!

جون ایلیا....غزل

بے قراری سی بے قراری ہے
وصل ہے اور فراق طاری ہے
جو گزاری نہ جا سکی ہم سے
ہم نے وہ زندگی گزاری ہے
آپ میں کیسے آؤں تجھ بن
سانس جو چل رہی ہے ،آری ہے
اس سے کہیو کہ دل کی گلیوں میں
رات دن تیری انتظاری ہے
ہجر ہو یا وصال ہو،کچھ ہو
ہم ہیں اور اس کی یادگاری ہے
حادثوں کا حساب ہے اپنا
ورنہ ہر آن سب کی باری ہے

ساحر لدھیانوی....غزل

محبت ترک کی میں نے گریباں سی لیا میں نے
زمانے اب تو خوش ہو زہر یہ بھی پی لیا میں نے
ابھی زندہ ہوں لیکن سوچتا رہتا ہوں خلوت میں
کہ اب تک کس تمنا کے سہارے جی لیا میں نے
انہیں اپنا نہیں سکتا،مگر اتنا بھی کیا کم ہے
کہ کچھ مدت حسیں خوابوں میں کھو کر جی لیا میں نے
بس اب تو دامنِ دل چھوڑ دو بیکار اُمیدو!
بہت دُکھ سہہ لئے میں نے بہت دن جی لیا میں نے

بیدل حیدری....غزل

یہ جو چہروں پہ لئے گردِ الم آتے ہیں
یہ تمہارے ہی پشیمانِ کرم آتے ہیں
اتنا کھل کر بھی نہ رو جسم کی بستی کو بچا
بارشیں کم ہوں تو سیلاب بھی کم آتے ہیں
خول چہروں پہ چڑھانے نہیں آتے ہم کو
گاؤں کے لوگ ہیں شہر میں کم آتے ہیں
وہ تو بیدلؔ کوئی سوکھا ہوا پتا ہوگا
تیرے آنگن میں کہاں اُن کے قدم آتے ہیں

مجھے ڈر لگتا ہے

کل رات بستر پہ مجھے ..... اک آہٹ نے چونکا دیا ..... اک نرم
ہوا کا جھونکا، میری پیشانی کو چھو گیا ..... آنکھ کھلی تو ماں کو دیکھا
..... کچھ ہلتے لب، کچھ پڑھتے لب ..... میں دھیرے سے مسکرا
دیا ..... ماں آج بھی اٹھ کر راتوں کو ..... میری پیشانی کو چومتی
ہے ..... اور اپنے حصے کی بھی سب دعائیں ..... مجھ پر پھونکتی ہے
بس اتنا یاد ہے مجھے ..... اک عرصہ پہلے بچپن میں، بس اک بار
کہا تھا ..... ماں مجھے ڈر لگتا ہے

ساغر صدیقی ....غزل

اس درجہ عشق موجبِ رُسوائی بن گیا
میں آپ اپنے گھر کا تماشائی بن گیا
دیر و حرم کی راہ سے دل بچ گیا مگر
تیری گلی کے موڑ پہ سودائی بن گیا
بزمِ وفا میں آپ سے اک پل کا سامنا
یاد آ گیا تو عہدِ شناسائی بن گیا
بے ساختہ بکھر گئی جلووں کی کائنات
آئینہ ٹوٹ کر تری انگڑائی بن گیا
دیکھی جو رقص کرتی ہوئی موجِ زندگی
میرا خیالِ وقت کی شہنائی بن گیا

(۳۰) جدید ترین کام کی باتیں

(زکریا ورک، کینیڈا)

۱۔روزانہ نصف گھنٹہ پیدل چلو۔
۲۔روزانہ سات گھنٹے رات کے وقت نیند میں گزارو۔
۳۔روزانہ دس منٹ خموشی میں گزارو۔
۴۔روزانہ کوئی کھیل کھیلو۔
۵۔پچھلے سال سے زیادہ کتابیں پڑھو۔
۶۔روزانہ عبادت کرو، یوگا کرو، یا خلوت میں وقت گزارو۔
۷۔دن وقت بھی سنہرے مستقبل کے خواب دیکھو۔
۸۔روزانہ ۷۰ سال کی عمر کے لوگوں یا ۶ سال کی عمر سے کم لوگوں کے ساتھ وقت گزارو۔
۹۔جی بھر کر روزانہ پانی پیو، کم از کم آٹھ گلاس۔کوک، سافٹ ڈرنک مت پیو، یہ دانت اور انتڑیاں خراب کرتے ہیں۔
۱۰۔روزانہ کم از کم تین آدمیوں کو ہنساؤ۔
۱۱۔یہ زندگی ایک سکول ہے، روزانہ کچھ نہ کچھ پڑھو اور سیکھو۔
۱۲۔ناشتہ بادشاہ کی طرح کرو، لنچ شہزادے کی طرح، اور شام کا کھانا غریب کی طرح کھاؤ۔
۱۳۔ہر جھگڑے میں جیتنا ضروری نہیں، اس بات پر اتفاق رائے کرلو کہ ہم متفق نہیں ہیں۔
۱۴۔زیادہ سنجیدہ نہیں رہو، کیونکہ لوگ تم کو سنجیدہ نہیں سمجھتے۔
۱۵۔تمہاری خوشی کا کوئی اور ذمہ دار نہیں، ماسوا تمہارے۔
۱۶۔تمہارے بارے میں لوگ کیا سوچتے ہیں، اس کے تم ذمہ دار نہیں۔
۱۷۔اپنے ماضی سے امن کرلو، تا تمہارا حال پر امن ہو جائے۔
۱۸۔خدا تعالیٰ ہر چیز کو مندمل کر دیتا ہے۔
۱۹۔کوئی بھی صورت حال چاہے اچھی ہو یا بری، جلد ہی بدل جائے گی۔
۲۰۔حسد وقت کا زیاں ہے، جو کچھ تمہیں چاہئے، تمہارے پاس ہے۔
۲۱۔چاہے تم کسی بھی حالت میں ہو، روزانہ اچھے کپڑے پہنو، شیو کرو، اور تیار ہو کر بیٹھو۔
۲۲۔اپنے رشتہ داروں سے ملتے رہا کرو، ان کو فون کرو یا خط لکھا کرو۔
۲۳۔ہر روز اوروں کو کوئی اچھی چیز پیش کرو۔
۲۴۔چادر سے زیادہ پاؤں نہیں پھیلاؤ، اپنی استطاعت کے اندر رہو۔
۲۵۔جس چیز کی ضرورت نہیں، وہ کسی مستحق کو دے دو چاہے وہ کتنی خوبصورت ہی کیوں نہ ہو۔
۲۶۔برے دنوں کیلئے کچھ نہ کچھ بچت ضرور کرو۔
۲۷۔وقت کو ضائع نہیں کرو، یہ تمہیں ضائع کر دے گا۔
۲۸۔اپنی زندگی کا دوسروں سے موازنہ نہیں کرو، نہ ہی اپنے شریک سفر کا۔
۲۹۔جھوٹ بولنے سے پہلے اچھی طرح یاد کرلو، ورنہ سچ بولنا ہی بہتر ہے۔
۳۰۔اپنی شریک حیات کو تحفے دیا کرو، کیونکہ وہ تمہارے رازوں کی امانت دار ہے۔

سعد اللہ شاہ....غزل

تم نے کیسا یہ رابطہ رکھا
نہ ملے ہو نہ فاصلہ رکھا
پھول کھلتے ہی کھل گئیں آنکھیں
کس نے خوشبو میں سانحہ رکھا
نہیں چاہا کسی کو تیرے سوا
تو نے ہم کو بھی پارسا رکھا
تو نہ رسوا ہوا ہواس لئے ہم نے
اپنی چاہت پہ دائرہ رکھا
جھوٹ بولا تو عمر بھر بولا
تو نے اس میں بھی ضابطہ رکھا
کتنی رونق ہے پیڑ پر جب سے

ایک چڑیا نے گھونسلہ رکھا
سعدؔ اُلجھا رہا مگر اس میں
تجھ سے ملنے کا راستہ رکھا

سیف الدین سیف....غزل

واعظ بھی اس بُت کو خدا مان رہا ہے
اس شہر میں اب کون مسلمان رہا ہے
میں چپ کہ ترا شکر ادا کر نہیں سکتا
تو میری خموشی کو گلہ جان رہا ہے
سایہ تری زلف کا اک رات یہاں بھی
یہ بسترِ غم تختِ سلیمان رہا ہے
ہم کوئے ملامت سے گزر آئے ہیں یارو
اب چاک رہا ہے نہ گریبان رہا ہے
آتی ہے صدا پچھلے پہر سیف مرے سیفؔ
دل اب تری آواز کو پہچان رہا ہے

عدیم ہاشمیؔ ....غزل

کتنا حسین پھر سے نظارہ بنا دیا
جیسے خدا نے اُسے دوبارہ بنادیا
آیا تھا امتحان میں مضمون حسن پر
پرچے میں سب نے چہرہ تمہارا بنادیا
کشتی کو آسرا کوئی تھوڑا سا تو رہے
رنگوں سے بادباں پہ کنارا بنادیا
یوسف کے حسن کی ذرا تانیث پوچھ لی
چہرہ ہر ایک نے ہی تمہارا بنا دیا
احسان لے سکا نہ خود اپنا بھی میں عدیمؔ
خود کو دوسروں کا سہارا بنادیا

فاخرہ بتول....غزل

کب اُداسی پیام ہوتی ہے؟
جب محبت تمام ہوتی ہے
کس کے چہرے پہ صبح جاگے ہے؟
جس کی آنکھوں میں شام ہوتی ہے
عشق بنتا ہے کس گھڑی صیاد؟
جب وفا زیر دام ہوتی ہے
ٹیس بنتی ہے آگہی کیسے؟
خود سے جب ہم کلام ہوتی ہے
کیا کمی ہے طلب کی راہوں میں؟
گفتگو ناتمام ہوتی ہے
دل کو بھاتی ہے کب صبا بولو؟
جب کسی کا پیام ہوتی ہے
یہ محبت ہے کیا بتاؤ گے؟
خاص شے ہے جو عام ہوتی ہے

فاطمہ حسن....غزل

خود کو اِک بار تنہا کر دیا
اس نے جو چاہا تھا ویسا کر دیا
میں تو بس اک لہر تھی دریا نہ تھی
اس کی گہرائی نے دریا کردیا
آگ کے بچوں نے اگلی نسل کو
وقت سے پہلے ہی بوڑھا کردیا
لوگ دھوکہ کھا گئے آزاد ہیں
اس نے زنجیروں کو ہلکا کردیا
لفظ کب اس کی گواہی بن سکے
میری خاموشی نے سچا کر دیا
دوریوں نے جسم کو جھٹلا دیا
روح کے رشتے کو گہرا کر دیا

فیض احمد فیضؔ....غزل

تری امید، ترا انتظار جب سے ہے
نہ شب کو دن سے شکایت نہ دن کو شب سے ہے
کسی کا درد ہو کرتے ہیں تیرے نام رقم
گلہ جو بھی کسی سے ترے سبب سے ہے
ہوا ہے جب سے دل نا صبور بے قابو

کلام تجھ سے نظر کو بڑے ادب سے ہے
اگر شرر ہے تو بھڑکے، جو پھول ہے تو کھلے
طرح طرح کے طلب، تیرے رنگ لب سے ہے
کہاں گئے شبِ فرقت کے جاگنے والے
ستارہ سحری ہم کلام کب سے ہے

قتیل شفائیؔ ....غزل

نامہ بر اپنا ہواؤں کو بنانے والے
اب نہ آئیں گے پلٹ کر کبھی جانے والے
کیا ملے گا تجھے بکھرے ہوئے خوابوں کے سوا
ریت پر چاند کی تصویر بنانے والے
میکدے بند ہوئے ڈھونڈ رہا ہوں تجھکو
تو کہاں ہے مجھے آنکھوں سے پلانے والے
کاش لے جاتے کبھی مانگ کے آنکھیں میری
یہ مصوّر تری تصویر بنانے والے
تو اس انداز میں کچھ اور حسیں لگتا ہیمجھ سے
منہ پھیر کے غزلیں میری گانے والا
سب نے پہنا تھا بڑے شوق سے کاغذ کا لباس
جس قدرلوگ تھے بارش میں نہانے کا لباس
جس قدر لوگ تھے بارش میں نہا نے والے
ے چھت بنادیتے ہیں اب ریت کی دیواروں ہر
کتنے غافل ہیں نئے شہر بسانے والے

''مومن اور مسلمان''

ممتاز افسانہ نگار اشفاق احمد کہتے ہیں، مجھے ایک سوال نے بہت پریشان کیا کہ مومن اور مسلمان میں کیا فرق ہے؟ میں نے کئی لوگوں سے پوچھا، مگر تسلی بخش جواب نہ ملا۔

ایک دن ایک گاؤں سے گزر ہوا۔ وہاں ایک بوڑھے مزدور سے میں نے یہ سوال کیا۔

''مومن اور مسلمان میں کیا فرق ہے؟''

انہوں نے ایک نظر اٹھا کر مجھے دیکھا اور بولے۔

''مسلمان وہ ہے جو اللہ کو مانتا ہے اور مومن وہ ہے جو اللہ کی مانتا ہے۔''

ایک ان پڑھ سے ایسا دانش مندانہ جواب سن کر میں حیران رہ گیا۔

گُلدستہ....

(سید حسن خان)

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نام ونسب وحلیہ:

حسن بن علی بن ابی طالب خلفاء راشدین میں سب سے آخری خلیفہ سمجھے جاتے ہیں۔آپ نصف شعبان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔آپؓ کی صورت آنحضرت ﷺ سے بہت مشابہ تھی۔آپ کا نام آنحضرت ﷺ نے رکھا تھا۔زمانہ جاہلیت میں یہ نام کسی کا نہ تھا۔امام بخاریؒ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ منبر پر تشریف رکھتے تھے۔حضرت حسنؓ آپؐ کے پہلو میں بیٹھے تھے آپؐ کبھی لوگوں کی طرف اور کبھی حضرت امام حسنؓ کی دیکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور یہ مسلمانوں کے دوگروہوں میں مصالحت کرائے گا۔ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک روز حضرت حسنؓ کو اپنے کندھے بٹھا رکھا تھا کہ ایک شخص راستے میں ملا۔اس نے حضرت حسنؓ کو مخاطب ہوکر کہا کہ میاں صاحبزادے تم نے کیا اچھی سواری پائی ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سوار بھی تو بہت اچھا ہے۔حضرت حضرت حسنؓ آپؐ کے پہلو میں بیٹھے تھے آپؐ کبھی لوگوں کی طرف اور کبھی حضرت امام حسنؓ کی دیکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور یہ مسلمانوں کے دوگروہوں میں مصالحت کرائے گا۔ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک روز حضرت حسنؓ کو اپنے کندھے بٹھا رکھا تھا کہ ایک شخص راستے میں ملا۔اس نے حضرت حسنؓ کو مخاطب ہوکر کہا کہ میاں صاحبزادے تم نے کیا اچھی سواری پائی ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سوار بھی تو بہت اچھا ہے۔حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا قول ہے کہ اہل بیت میں حضرت حسنؓ آنحضرت ﷺ سے بہت زیادہ مشابہ تھے۔اور آنحضرت صلعم ان کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

خصائل حمیدہ:

حضرت امام حسنؓ نہایت حلیم، صاحبِ وقار، صاحبِ حشمت اور نہایت سخی تھے۔فتنہ وخون ریزی سے آپؓ کو سخت نفرت تھی۔آپؓ پا پیادہ پچیس حج کئے عمیر بن اسحاق کہتے ہیں کہ صرف حضرت حسنؓ ہی ایک ایسے شخص تھے کہ جب بات کرتے

تھے تو میں چاہتا تھا کہ آپؐ باتیں ہی کرتے جائیں اور اپنا کلام ختم نہ کریں اور آپ کی زبان سے میں نے کبھی کوئی فحش کلمہ نہیں سُنا۔

(تاریخ اسلام صفحہ 520)

علم کی شمع

سلطان محمود غزنوی افغانستان کے بادشاہ سبکتگین کا بیٹا تھا۔ایک بہادر سپاہی، تجربہ کار جرنیل، انصاف پسند بادشاہ اور سچا مسلمان تھا۔وہ عالموں کا بہت قدردان تھا۔ بڑے بڑے عالم فاضل اس کے دربار میں جمع ہوتے تھے۔محمود ایک رات کسی کام سے محل سے باہر گیا۔اس زمانے میں سڑکوں اور گلیوں میں روشنی کا انتظام نہیں ہوتا تھا۔صرف بڑے بڑے چوراہوں اور کھمبوں کے ساتھ چراغ لٹکا دیئے جاتے تھے۔ محمود محل سے باہر نکلا تو شاہی خادم چراغ اٹھائے اس کے ساتھ چل رہے تھے۔ایک جگہ وہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک کھمبے میں ایک چراغ لٹک رہا ہے اور اس کے نیچے ایک لڑکا کھڑا کتاب پڑھ رہا ہے۔محمود اس کے پاس رُک گیا اور اس سے پوچھنے لگا تم کون ہو؟ لڑکے نے بڑے ادب سے جواب دیا۔جناب! میں ایک طالبعلم ہوں۔محمود نے پوچھا اس وقت یہاں کیوں کھڑے ہو؟ لڑکے نے جواب دیا حضور میرے ماں باپ بہت غریب ہیں۔میرے لیے چراغ کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے اس لئے یہاں آجاتا ہوں اور سرکاری چراغ کے نیچے کھڑا ہو کر اپنا سبق یاد کرتا ہوں۔محمود نے یہ سن کر اپنے خادم کی طرف دیکھا اور اس سے کہا تم اس لڑکے کے ساتھ جاؤ یہ چراغ اور ایک سال کے لئے تیل کا خرچ اس کے گھر دے آؤ۔خادم چراغ لے کر اس لڑکے کے گھر گیا اور چراغ اور ایک سال کے لئے تیل کا خرچ اس کے گھر دے کر آیا۔اس رات محمود بستر پر لیٹا تو اسے خواب میں ایک بزرگ نظر آئے۔انہوں نے کہا محمود تو نے ایک غریب طالبعلم کے گھر میں علم کی شمع روشن کی ہے اللہ تعالیٰ اسی طرح تیرا نام روشن کرے گا۔

محمود غزنوی بادشاہ ہوا تو اس نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے اور یہاں پر اسلام کا بول بالا کیا۔چنانچہ محمود غزنوی کا نام آج تک روشن ہے۔

دہلی!

دہلی جسے مقامی طور پر دلّی کہا جاتا ہے، بھارت کا دارالحکومت ہے۔یہ بھارت کا دوسرا اور دنیا کا آٹھواں بڑا ملک ہے۔دریائے جمنا کے کنارے یہ شہر چھٹی صدی قبل مسیح سے آباد ہے۔سلطنت دہلی کے عروج کے ساتھ یہ شہر ایک ثقافتی و تجارتی مرکز کے طور پر اُبھرا۔اس شہر میں عہد قدیم اور قرون وسطیٰ کی کئی یادگاریں اور آثار قدیمہ موجود ہیں۔سلطنت دہلی کے زمانے کا قطب مینار اور مسجد قوتِ اسلام، ہندوستان میں اسلام کی شان و شوکت کے اولین مظاہرین ہیں۔1947ء میں آزادئ ہند کے بعد نئی دہلی کو بھارت کا دارالحکومت قرار دیا گیا۔شہر میں بھارتی پارلیمان سمیت وفاقی حکومت کے اہم دفاتر واقع ہیں۔دہلی بھارت کا بڑا ثقافتی، سیاسی اور تجارتی مرکز ہے۔

کھجور!

ماہرین علم نباتات کی تحقیق کے مطابق دینا میں کھجور سب سے پرانا پھل ہے۔ کھجور کا درخت دنیا کے اکثر مذاہب میں مقدس مانا جاتا ہے۔قرآن مجید اور دیگر مقدس کتابوں میں جابجا کھجور کا ذکر ہے۔جدید سائنس نے اب یہ بات ثابت کر دی ہے کہ کھجور ایک ایسی منفرد اور مکمل خوراک ہے جس میں ہمارے جسم کے تمام ضروری غذائی اجزاء وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔رمضان المبارک میں افطار کے وقت کھجور کا استعمال اس کی افادیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔گویا کھجور روزہ دار کو مکمل اور زود ہضم غذا پوری کرتی ہے۔

سنبھل کے!!

☆۔شیطان کو کبھی لفٹ نہ دیں، اسے اسٹیئرنگ سنبھال لینے کی پرانی عادت ہے۔
☆غصے کا مطلب ہے کہ آپ نے اپنا آپ، غصہ دلانے والے کے ہاتھ میں دیدیا۔
☆کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں، مگر نہ کرنے میں ضرور ہے۔
☆گیدڑوں کا لشکر جس کا سالار شیر ہو، شیروں کی اس فوج سے بہتر ہے جس کی کمان گیدڑ کے ہاتھ میں ہو۔
☆چہرے کو خوبصورت بنانے کا سب سے اچھا طریقہ اس پر مسکراہٹ سجانا ہے۔
☆اندھیرے کو کوسنے سے بہتر ہے ایک دیا جلا دو۔

کبھی ہمت نہ ہارو!

یہ پوری کائنات، زمین، آسمان، چاند، ستارے، دریا، پہاڑ اور جنگل گویا ہر چیز اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے اور انسان کے لئے انہیں بغیر اجرت کے کام پر لگا رکھا ہے۔انسان اپنے علم اپنی محنت اور حوصلے سے اس کائنات میں چار چاند لگا رہا ہے۔ انسان اپنی ہمت سے بڑے سے بڑے کام کر سکتا ہے اور اب انسان خلاؤں کی تسخیر کر رہا ہے چاند پر بھی انسان کے قدم جا پہنچے ہیں۔یہ سب ہمت کا ہی کمال ہے۔پرانے زمانے کی بات ہے کہ ایک بادشاہ جنگ پر گیا۔اس جنگ میں اس کی فوج ماری گئی اور بہت سے لوگ جان بچانے کی خاطر بھاگ گئے۔بادشاہ بھی اپنی جان

بچا کر بھاگ نکلا اور کسی غار میں جا کر چھپ گیا۔ جہاں پر وہ چھپا ہوا تھا ایک چیونٹی بھی وہاں تھی۔ بادشاہ کی نظر اس چیونٹی پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ وہ چیونٹی اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر بار بار نیچے گر جاتی تھی۔ بادشاہ غور سے اس کو دیکھتا رہا بالآخر وہ چیونٹی کامیاب ہوگئی اور اوپر چڑھ گئی۔ اس کو دیکھ کر بادشاہ کے دل میں یہ بات آئی کہ کیا میں چیونٹی سے بھی زیادہ کمزور ہوں؟ اگر یہ ننھی سی جان اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتی ہے تو بھلا میں کیوں نہیں ہوسکتا۔ اس خیال سے بادشاہ میں ایک نئی ہمت آئی۔ وہ پہاڑ میں سے نکلا اور ایک بار پھر لشکر جمع کیا۔ وہ جب دوبارہ حملہ آور ہوا تو ہمت اور حوصلے کیوجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے کامیابی عطا کی اور وہ فاتح بن کر واپس اپنے وطن پہنچا۔ غالباً وہ تیمور لنگ تھا۔

اینٹ اور شراب.... مرسلہ بی اے رفیق

شرابی ایک عالم دین سے: جناب مجھے بتائیں کہ اگر میں چند کھجوریں کھاؤں تو آپ کو کوئی اعتراض ہے۔

عالم دین: کوئی اعتراض نہیں۔

شرابی: اگر اُس کے ساتھ کچھ جڑی بوٹیاں یا انگور کھالوں۔

عالم دین: کوئی رکاوٹ نہیں۔

شرابی: اگر میں ان میں کچھ پانی شامل کرلوں۔

عالم دین: بڑے شوق سے۔

شرابی: جب یہ ساری چیزیں جائز اور حلال ہیں تو پھر شراب کیوں حرام ہے جبکہ اس میں یہی تو اشیاء ہیں جن کی کھانے کی آپ اجازت دے رہے ہیں۔ یعنی کھجوریں، پانی اور جڑی بوٹیاں، انگور وغیرہ ہی تو شراب کے اجزائے کبیرہ ہیں۔

عالم دین: اگر تمہارے اوپر کچھ پانی پھینک دیا جائے تو آپ کو کوئی اعتراض ہوگا۔

شرابی: ہرگز نہیں پانی سے کیا فرق پڑتا ہے۔

عالم دین: اگر پانی میں مٹی گھول دی جائے اور پھر آپ پر پھینکا جائے تو تم مرتو نہیں جاؤ گے۔

شرابی: جناب اس طرح تو میں نے کسی کو مرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

عالم دین: اگر میں مٹی اور پانی لوں اور دونوں کو گوندھ کر ایک اینٹ بنالوں اور اسے خشک کر کے آپ کے سر پر ماروں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔

شرابی: جناب اس طرح سے تو آپ مجھے قتل کر دیں گے۔

عالم دین: بس شراب کا بھی یہی حال ہے۔

لطائف

(فراز حمید خاں)

چھینک

ایک شخص اپنی چھینک روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دوست نے پوچھا کہ تم چھینک کیوں روک رہے ہو؟

دوسرا دوست بولا: میری بیوی نے کہا تھا کہ جب تمہیں چھینک آئے تو سمجھ لینا کہ میں تمہیں یاد کر رہی ہوں۔ اگر چھینک آئے تو سیدھے میرے پاس چلے آنا۔

دوست: تو اس میں برا کیا ہے؟

دوسرا بولا: یار میری بیوی مر چکی ہے۔

دادی سے شادی

بیٹا: ابا میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔

باپ (مسکرا کر): بیٹا تم کس سے شادی کرنا چاہتے ہو؟

بیٹا: میں دادی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔

باپ: تمہیں شرم نہیں کہ میری ماں سے شادی کرنا چاہتے ہو۔

بیٹا: کیا آپ نے میری ماں سے شادی نہیں کی؟

اندھا بچہ

ہسپتال میں بچہ پیدا ہوتے ہی چلانے لگا: مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا، میں اندھا ہوں، مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔

نرس: بے وقوف لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے اندھیرا ہے۔

بچہ: اوہو! تو یہ پاکستان ہے۔

چوزہ

ٹیچر: بچو! بتاؤ چوزا انڈے میں سے کیسے باہر نکلتا ہے؟

ایک بچہ: یہ بات اہم نہیں۔ پہلے آپ یہ بتائیں کہ وہ انڈے میں گھستا کیسے ہے؟۔

سر کی ضرورت

حجام کی دوکان پر بورڈ تھا:

"ہمیں اپنا کاروبار چلانے کے لئے آپ کے سر کی ضرورت ہے۔"

مُلاں....عاصی صحرائی

مُلاں تینوں سمجھا بیٹھے آں
لکھ واری قسماں کھا بیٹھے آں
تیری عقل کوٹھے تے چڑھ گئی
ساری اُمت خاتم تے اَڑ گئی
خاتم دی مہر بھی لا بیٹھے آں
چودھویں صدی بھی لنگ گئی ساری
پندرھویں تہائی لنگا بیٹھے آں
تہاڈا مہدی اَجے نہیں آیا
اوہنوں آسمانی چڑھا بیٹھے آں
ساری دنیا تے لبھدا نہیں کوئی
کتنے لیڈرا مرا بیٹھے آں
کوئی نہیں بولیا مجاہد مسلم
غزہ تے ظلم کرا بیٹھے آں
ہُن بھی کہیندا اک ہو جاؤ
دُشمن سر تے چڑھا بیٹھے آں
صدام، قذافی نہ بچایا تہانوں
مُلاں قاضی مرایا تہانوں
زور بھی سارا لا بیٹھے آں
دجال نہیں ڈردا ساڈے کولوں
ایٹم بم بھی بنا بیٹھے آں
اپنا خون ای مار گیا سانوں
جہادی طالبان بنا بیٹھے آں
ساری اُمت لبھدی لیڈر
وکھ او وکھ امام بنا بیٹھے آں
فرقہ بندی لے گئی سانوں
استخارہ بھی کرا بیٹھے آں
ڈیڑھ اِٹ دی مسجد سب جا
بندے نوں رَب بنا بیٹھے آں
جناح نے دتا سی ملک اسانوں
او وی ادھا گنوا بیٹھے آں
تیل دی دولت بھی کم نہ آئی
اوہ ہتھ یاجوج پھڑا بیٹھے آں
بدّو دے ہی بدّو رہ گئے
عورت کوٹھی کار لیا بیٹھے آں
ربا عاصی نوں معاف کریں توں
تینوں اسیں بُھلا بیٹھے آں

جدید علوم سائنس اور مذہب

(شیخ عبدالمجید جرمنی)

دنیا کے مختلف مذاہب کی تعلیم میں کتنا بھی اختلاف ہو سب اس بات پر متفق ہیں کہ اس کارخانہ عالم کا ایک خالق مالک ہے۔جس کے قبضہ قدرت میں ہماری جانیں ہیں اور یہ کہ ہمارے خالق نے ہماری زندگیوں کا ایک مقصد مقرر کیا ہے۔اس مقصد کے حصول کا طریق بھی اس نے خود بتا دیا ہے اور یہ کہ موت انسانی زندگی کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ موت کے بعد ایک اور زندگی ہے جس میں انسان اپنی موجودہ زندگی کے اعمال کا ثمرہ پائے گا۔ اسلام کا فلسفہ دنیوی زندگی اور حیات اخروی دونوں پر محیط ہے ۔اس کے مطابق یہ دونوں زندگیاں الگ الگ نہیں ہیں دراصل زندگی ایک تسلسل کا نام ہے جو لمحہ بھر کے لئے موت کے وقت ٹوٹ جاتا ہے۔موت بھی درحقیقت ایک زندگی سے دوسری زندگی میں جانے کا نام ہے۔جبکہ مغربی مادی فلسفہ کے نزدیک موت کے ساتھ انسان کی ہستی' نیستی اور عدم کے اندھیروں میں ڈوب جاتی ہے۔ اس مختصر عرصہ حیات کی ضرورت کو کسی نہ کسی طرح پورا کرلیا جائے۔دنیا کی گھما گھمی اور دلچسپیوں میں منہمک مادہ پرست انسان کو بھلا کب فرصت ہے کہ وہ اس بات پر غور کرے کہ وہ کیا ہے' کہاں سے آیا ہے' کدھر جا رہا ہے اور کس نے اس کو اس عالم کون و مکان میں بھیجا ہے کا کس مقصد کے لئے بھیجا ہے۔اس بات کا تو ہر انسان کو بخوبی علم ہے کہ نہ تو وہ خود اس دنیا میں آیا ہے اور نہ اپنی مرضی سے اس دنیا سے جائے گا۔بلکہ اس کا آنا اور جانا دونوں ہی کسی اور حکم کے تابع ہے۔مادہ پرست معاشرہ کا عالم آخرت کا انکار ہی سب بدیوں بدکاریوں کی جڑ ہے۔جیسا کہ قرآن سورۃ المومنوں آیت ۸۳ میں فرمایا:

ترجمہ:وہ کہتے تھے کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گی کیا ہم پھر بھی ضرور اُٹھائے جائیں گے'' یعنی جب ہم مر جائیں گے پھر کون ان کو زندہ کرے گا؟

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جاہل انسان اتنا نہیں سمجھتے کہ جس نے اپنی

قدرت کاملہ انسان کی پہلی پیدائش (رحم مادر میں بے جان بچہ کی) موت کو زندگی میں تبدیل کر کے شروع کیا۔ کیا وہ اپنی قدرت کاملہ سے اس کی دوسری پیدائش کو وجود میں نہیں لاسکتا؟ خدا تعالیٰ کی ہستی کو اسلام ایک زندہ حقیقت کے طور پر پیش کرتا ہے جو اس ساری کائنات خالق و مالک اور رب العالمین ہے۔ ''اسلام کہتا ہے ایک بالا ہستی جامع جمیع صفات ہستی موجود ہے وہ قائم بالذات ہے۔ اپنے وجود میں کامل ہے' دوسروں کا محتاج نہیں۔ محدود نہیں' جس طرح آسمان پر ہے اسی طرح زمین پر ہے' جگہ اسے بند نہیں کرسکتی' جہات اس پر تصرف نہیں رکھتیں۔ زمانہ اس پر حکومت نہیں کرسکتا' اور سب کچھ اس کے قبضہء تصرف میں ہے' اس کی مرضی کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا' وہ بادشاہ ہے' وہ مالک ہے' وہ ہدایت دینے والا ہے' حفاظت کرنیوالا ہے۔ عزت و ذلت اسی کے اختیار میں ہے وہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے اور ہر ایک بات کو جانتا ہے۔ دنیا کو اس نے خاص مقصد کے لئے پیدا کیا وہ چاہتا ہے کہ دنیا اس مقصد کو پورا کرے۔ اس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ خود دنیا کا فائدہ ہے اور اس کی ترقی ہے۔

''تمہارا خدا وہ ہے۔ جو اپنی ذات میں صفات میں واحد ہے۔ نہ کوئی ذات اس کی ذات جیسی ہے ازلی اور ابدی یعنی انادی اور اکال ہے۔ نہ کسی چیز کی صفات اس کی صفات کے مانند ہیں۔ خدا نہ کسی کا بیٹا ہے اور کوئی اس کا بیٹا ہے۔ کیونکہ وہ غنی بالذات ہے اس کو نہ باپ کی حاجت ہے اور نہ بیٹے کی۔''

(لیکچر لاہور صفحہ 7)

''خدا کبھی معطل نہیں ہوگا۔ ہمیشہ خالق' ہمیشہ رازق' ہمیشہ رب' ہمیشہ رحمان' ہمیشہ رحیم ہے اور رہے گا۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 347)

گویا ''کوئی صفت اسکی معطل نہیں جیسے وہ پہلے بھی دعائیں سُنتا تھا وہ اب بھی سنتا ہے۔ بلکہ وہ سنتا بھی ہے بولتا بھی ہے۔

(خدا ایک پیارا خزانہ)

کیا تم اس کی تلاش اور تحقیق کو ایک غیر ضروری تعلق قرار دو گے؟ اگر ایسا کرو گے تو تم ثابت کرو گے کہ تمہارے سر میں وہ جوہر نہیں ہے جسے عقل کہتے ہیں اور تمہارے سینوں میں وہ دل نہیں پتھر ہے۔ پس اسلام کہتا ہے جو بھی اس پیارے خزانہ کی تلاش کے میدان میں پاک نیّت اور دلی محبت اور سچی تڑپ سے نکلے گا پھر وہ دیکھے گا کہ کامیابی کی خوش کُن ہوائیں بہت جلد اس کا خیر مقدم کرتی ہوئی اسے آملیں گی۔

دنیائے مذاہب پر نظر ڈالنے سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ اسلام کے سوا تمام مذاہب اپنی اصل کو ترک کر کے فقط قومی نشان بن کر رہ گئے ہیں۔ مختلف توہمات میں گرفتار اور گمراہی' شرک و بدیوں کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں اور آئندہ نسلوں کو بھی دہریت کے اندھیری کھائیوں میں دھکیل رہے ہیں۔ یورپ کی تعلیم نے کالج کے لڑکوں کو بالکل آزاد بنا دیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا جاہل تھے جو خدا کو مانتے تھے اور نہ کوئی خدا ہے اور اس کے ماننے کی ضرورت ہے۔ مغربی فلسفہ کے زہریلے اثرات سے متاثر ہو کر لوگ مذہب سے دور جا پڑے ہیں۔ گناہ کی کثرت کی وجہ سے تعلق باللہ نہیں رہا اور دلوں پر زنگ لگ گیا۔ یورپی کلیسائی تاریک دور میں علمی ترقی ہونے لگی اور طبعی انکشافات کا سلسلہ شروع ہوا تو پادریوں کو بیوقوفی یہ سوجھی کہ انہوں نے اس ترقی کو مذہب کے خلاف سمجھا جدید علوم سائنس کی مخالفت شروع کر دی۔ دراصل مسیحی پادری اور لوگ عیسائیت کی اصل تعلیم مسیحی رُوح سے دور جا پڑے۔ اور انہوں نے اپنی خود ساختہ مسیحیت ایسے اصول قائم کر لئے جن کو عقل ردّ کرتی ہے۔ پادریوں کے خیال میں کہ اگر لوگوں کی توجہ عقل کی طرف ہوگئی تو کون مسیحیت کو مانے گا۔ پادریوں نے جدید علوم کی ہی مخالفت شروع کر دی اور جو بات بھی علوم طبیعہ کے متعلق دریافت ہوئی اسے کفر قرار دے دیا اور کہدیا کہ یہ مذہب کے خلاف ہے اور اس کی طرف توجہ کرنا گناہ ہے۔ چنانچہ مسیحی کلیسائی نظام نے دنیا میں ظلم وستم کشت وخون اور بیجا تعصّباتِ مذہبی کا وہ طوفان کھڑا کر دیا۔ تنگ خیالی اور بے جا تعصّبات اور امن شکنی اور قتل وغارت کے منظر یورپ کی تاریخ پیش کرتی ہیں۔ ہندو اور سکھ اور دوسرے مذاہب کی تاریخیں بھی کم وبیش یہی نظارہ ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں۔ بلکہ بعض لحاظ سے ہندوؤں اور سکھوں میں مذہبی تعصّبات ظلم وستم امن شکنی کا منظر زیادہ بھیانک صورت میں نظر آتا ہے۔ اور یہ سب مثالیں اس بات کو ثابت کر رہی ہیں کہ درحقیقت کہ دہریوں اور فلاسفروں کی طرف سے مذہب پر جبر وتشدد کا الزام لگایا جاتا ہے وہ مذہب پر نہیں پڑتا بلکہ وہ تو مذہب کی روح سے دور جا پڑنے کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ فلاسفر دہریوں نے مذاہب عالم کی ناقص تعلیم کی آڑ لے کر مذاہب پر حملے کرنے شروع کر دئے۔ کہ مذہب عقل اور دلیل کے خلاف ہیں۔ کہ مذہب تنگ خیالی اور امن شکنی پیدا کرتا ہے۔ یورپی کلیسائی جبر کی تاریخ شاہد کہ جہاں خدا کے نام پر خود اس کے بندوں پر ظلم کئے جارہے تھے۔ اس کے ردعمل میں مذہب سے بیزاری پیدا ہوئی مغربی دنیا میں دہریت نے اپنی مضبوط جڑیں قائم کر لیں۔ روس میں جنگ عظیم اول کے بعد جو سیاسی انقلاب برپا ہوا۔ اور مسیحی مذہب کے پیروکار زار کی مطلق العنان کے زوال کے بارہ میں ایک مذہبی انسان حضرت بانی سلسلہ عالیہ علیہ السلام نے خدا سے علم پاکر ۱۹۰۵ء میں اعلان فرمادیا تھا:

''زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار''

چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق روس کے کے مطلق العنان عیسائی بادشاہ زار کا زوال ہوا اور اس کا اقتدار ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔ زار کی عظیم بادشاہت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ مذہب کی حقانیت کا زبردست ثبوت ہے۔ بادشاہت کے خاتمہ کے بعد کیمونسٹ حکومت قائم ہوئی۔ پس روس کا انقلاب تو خود خدا تعالیٰ کی زندہ ہستی کا ثبوت ہے۔

پھر اس کے بعد کارل مارکس (جو کیمونزم کا بانی کہلاتا ہے) کے نظریات کو لے کر مذہب کے خلاف ایک شدید طوفان اُٹھا اور مذہب کو دنیا سے مٹانے کے لئے ایک زبردست مہم جاری کی گئی اور کیموزم اور اس کے بعد کی تاریخ میں ہمیں یہی نظر آتا ہے مغربی فلسفہ کی پیروی میں مذہب کے خلاف ایک زبردست پروپیگنڈا مہم جاری ہوگئی اور آجتک جاری ساری ہے۔۔جبکہ ہم بفضل تعالیٰ اس پروپیگنڈا سے قطعاً مرعوب و متاثر نہیں کیونکہ روس میں زار کے خلاف کیمونزم کا ۱۹۱۸ء کا انقلاب بھی خدا کی زندہ ہستی پر دلالت کرتا ہے۔

''خداوندقدوس جو دنیا کو ضلالت کے تاریک گڑھے میں دیکھنا نہیں چاہتا اس نے کمال شفقت اور مہربانی سے اپنے پاک بندہ مہدی معہود کو اس زمانہ میں ہدایتِ خلق کے لئے مبعوث فرمایا تا کہ وہ تمام اعتراضات جو مذہب کی طرف منسوب ہونے والے لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے پڑتے تھے اور مخلوق خدا کو خدا کی طرف سے بدگمان کرنے کا موجب بن رہے تھے اور مذہب میں تشدد اور جبر اور تنگ نظری کا رستہ کھولتے تھے ان کا ازالہ ہو۔اور لوگ اپنے آسمانی آقا و مالک کو پہچان کر پھر بھائی بھائی بن جائیں۔۔مگر افسوس کہ ان لوگوں نے اس مصلح ربّانی سے اور آسمانی کے شمع برداروں کے ساتھ وہی جاہلانہ اور متعصّبانہ رویہ اختیار کر رکھا ہے جو انبیاء کے مخالفین لوگوں کی قدیم سے عادت ہے۔خلاصہ کلام یہ کہ مذہب کے متعلق ایسا خیال کرنا کہ وہ تنگ نظری اور جنگ وجدل کا موجب ہے یہ خیال صرف موجودہ زمانہ کی ناقص حالت کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے۔جبکہ اگر مذاہب عالم کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات اظہر من الشّمس ہو کر نظر آتی ہے کہ جب کبھی بھی لوگ مذہب کی اصل روح اور حقیقت پر قائم ہوئے ہیں ان کے اندر دوسروں کی نسبت زیادہ وسعت خیالی اور روشن دماغی اور ام پسندی اور قربانی برداشت کا مادہ پیدا ہو گیا۔اور تعلیم کے لحاظ بھی دیکھا جائے تو تفاصیل کو الگ رکھ کر کوئی مذہب ایسا نظر نہیں آتا جو اصولی طور پر امن پسندی اور صلح جوئی اور وسعت حوصلگی کی تلقین نہ کرتا ہو۔پس تنگ خیالی اور فتنہ فساد کا مادہ مذہب کی تعلیم کو بھلا دینے کا نتیجہ تو ہوسکتا ہے مگر تعلیم پر کاربند ہونے کا نتیجہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔''

(ماخوز از کتاب ''ہمارا خدا'' صفحہ 193۔194)

مذہبی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مذہب بلاوجہ قتل و خونریزی کی اجازت نہیں دیتا۔تاریخ ادیان ہمیں بتاتی ہے کہ لا مذہبی لوگوں نے ہی مذہب والوں کی شدید مخالفت کی اور ان کا خون بہایا۔انبیاء ومرسلین کے مخالف ان پر اور ان کے ماننے والوں پر عرصہ حیات تنگ کرتے ہیں اور ان پر ظلم وستم کرتے ہیں۔ محض خدا تعالیٰ پر ایمان رکھنے کی وجہ سے ان مظلوموں اور معصوموں کے خون سے زمین کو لالہ زار بنایا گیا۔بالاخر مجبور ہو کر انہوں نے بھی اپنے حق مدافعت کو استعمال کیا۔اور اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت سے یہ مؤمنین اپنے دفاع اور حصول آزادی ء مذہب میں کامیاب وکامران ہوئے اور ان کے مخالفین ناکام ونامراد ہوئے تو پھر مخالفین کی طرف سے شور مچایا جاتا ہے کہ مذہب کے ماننے والوں نے ہم پر ظلم وستم کیا ہے۔جبکہ مخالفین انبیاء مذہب پر الزام دینے سے قبل مذہب کے نام اپنے ظلم وستم اور خونریزی یکسر عمداً اور ارادۃً فراموش کر دیتے ہیں۔

اس ضمن میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ سائنس جس کو مذہب کا قائمقام سمجھا جاتا ہے کیا اس کی زہریلی گیسوں ایٹمی اور مہلک ہتھیاروں سے سیاسی بالادستی کی جنگیں لڑیں دنیا میں خون خرابہ کیا جنگ عظیم اول اور جنگ عظیم ثانی کی تباہ کاریوں کو مدنظر رکھا جائے تو جسم پر لرزا طاری ہوجاتا ہے۔یہ سب سائنس کا کرشمہ ہے۔مذہبی اصطلاح میں خدا تعالیٰ کے فعل اس کا قانون قدرت ہے۔اور اسی طرح خدا کا قول یعنی الہام وحی اس کا قانون شریعت ہے۔یعنی خدا تعالیٰ کے قول فعل میں مطابقت ہے نہ کہ کوئی تضاد۔اسے ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نیچر (اس کے قانون قدرت) کی اسٹیڈی کو ہم سائنس کہتے ہیں اور وحی الہام کی سٹیڈی کو ''مذہب'' اب دونوں میں باہمی تطابق ہے۔۔کسی قسم کا کوئی تخالف نہیں۔چنانچہ قرآن مجید خدا کا کلام ہے وہ بار بار عقلِ انسانی کے استعمال یعنی تدبر وتفکر اور نیچر کی اسٹڈی کی تعلیم دیتا ہے۔بلکہ مذہب سائنس کی ریسرچ کی طرف ترغیب دلاتا ہے اور اس ریسرچ کے نتیجہ میں قرآن مجید کے بیان کردہ اصولوں کی تائید وتصدیق ہوتی ہے۔مذہب انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین وایمان پیدا کر کے اسے با اخلاق اور باخدا بناتا ہے نیکی اور بدی کی تمیز اور انسان کی پیدائش کے مقصود ومطلوب کا وجدانی احساس صرف مذہب کے ذریعہ ہی ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کا تصور ہمارے نفسوں میں نہایت قوی طور پر مرکوز کر دیا ہے۔اس فطری حقیقت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ:''اے انسان! تو اپنی ساری توجہ دین کے لئے مخصوص کر دے ایسی صورت میں تجھ میں کجی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی فطرت کو اختیار کر کہ وہ فطرت جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔یہی قائم رہنے والا دین (اسلام) ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔''

(سورۃ الروم ع 4)

مذہب کو اپنی علمی اور سائنسی ترقی میں روک سمجھنے والوں کا یہ نظریہ ہے کہ انسان بغیر کسی الہامی شریعت کی امداد اور راہنمائی کے ایک با مقصد اور با مراد زندگی بسر کر سکتا ہے۔جبکہ ہر ملک اور قوم میں مذہب کی طرف بڑھتا ہوا ایک رجحان نظر آرہا ہے۔کیونکہ لوگ اب مادیت ٹیکنالوجی کی ترقی سے مطمئن نہیں ان کو ذہنی سکون مذہب میں ملتا نظر آتا ہے ایسا کیوں نہ ہو کہ بغیر محبت الٰہی کے یہ سکون وطمانیت حاصل نہیں ہوسکتی جبکہ اللہ فرماتا ہے کہ:

''آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی قلوب اطمینان پاسکتے ہیں۔''

یعنی خدا کو چھوڑ کر کوئی امن نصیب نہیں ہوسکتا یہی وہ راز ہے جس کو جانے بغیر نہ تو انسان کو اطمینان قلب نصیب ہوسکتا ہے اور نہ ہی معاشرہ میں امن وسکون کی ضمانت دی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ (صراط المستقیم) رستہ کے سوا حقیقی امن واطمینان تک لے جانے والا رستہ کوئی رستہ نہیں۔ مغربی الحاد پر مبنی فلسفہ نے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے' اس قدر وسیع اور ہمہ گیر ہیں کہ مذہب اور مذہب سے تعلق رکھنے والی ہر شے کو انکار اور استہزا کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ منکرین خدا کہتے ہیں کہ خدا کا عقیدہ زمانہ جہالت کی پیداوار ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہستی باری تعالیٰ کے عقیدہ کا خمیر خود انسان کی فطرت میں رکھا گیا۔ اور یہ کوئی ایسا پیچیدہ مشکل مسئلہ ہی نہیں کہ جس کے لئے لمبے چوڑے دلائل درکار ہوں۔ قرآن پاک کی سورۃ الذاریات کی آیت 21' 22 میں فرمایا:

ترجمہ: اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے بہت سے نشان ہیں اور تمہاری جانوں میں بھی' کیا تم دیکھتے نہیں۔''

گویا انسان کا اپنا وجود ہی خدا تعالیٰ کی ذات کی سب سے بڑی شہادت ہے اور اکبرالہ آبادی مرحوم نے اس حقیقت کو ایک شعر میں یوں ادا کیا ہے:

مری ہستی ہے خود شاہد وجودِ ذاتِ باری کی
دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر ردّ ہو نہیں سکتی

ہماری فطرت کی اس آواز اور پکار کے علاوہ ہستی باری تعالیٰ کے ثبوت کے اتنے محکم عقلی اور نقلی دلائل ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ انہیں ردّ کیسے کیا جاسکتا ہے۔

الفاظ کی حقیقت

ایک لفظ ہے محبت: اسے کر کے دیکھو تم تڑپ نہ جاؤ تو کہنا۔
ایک لفظ ہے مقدر: اس سے لڑ کر دیکھو تم ہار نہ جاؤ تو کہنا۔
ایک لفظ ہے وفا: زمانے میں نہیں ملتی' کہیں ڈھونڈ پاؤ تو کہنا۔
ایک لفظ ہے جدائی: اسے سہہ کر تو دیکھو تم ٹوٹ کر بکھر نہ جاؤ تو کہنا۔
ایک لفظ ہے اللہ: اُسے پکار کر تو دیکھو، سب کچھ پا نہ لو تو کہنا۔

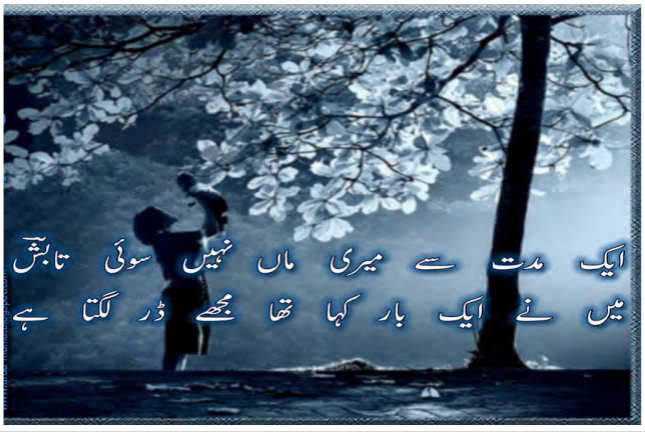

ڈاکٹر عبدالسلام اور بت پرستی؟

(مرسلہ۔ بی اے رفیق)

سائنس میگزین کے ایڈیٹر جناب قاسم محمود صاحب کی نظر کا مبہوت کُن واقعہ

سائنس میگزین کے ایڈیٹر جناب قاسم محمود صاحب لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر صاحب کا لاہور سے ٹیلی فون آیا کہ آپ میری ہمشیرہ کے گھر پہنچ جائیں۔ پتہ آپ اُن سے خود پوچھ لیں۔ گلیوں میں مکان تھا جس کے دروازے پر پردہ لٹک رہا تھا۔ کچھ مشتاق حضرات ڈاکٹر صاحب سے ملنے کے لئے موجود تھے۔ جس کمرے میں ہم بیٹھے ہوئے تھے، بیٹھک کہنا چاہئے جو ہمارے متوسط طبقہ میں ہوا کرتا ہے۔ دیواروں پر خوبصورت قرآن مجید کے طغرے آویزاں تھے۔ لیجئے ڈاکٹر صاحب کی سواری آگئی لیکن وہ بیٹھک میں نہیں آئے جہاں ہم سب بیٹھے ہوئے تھے۔ اُنہیں چپکے سے ساتھ والے بغلی کمرے میں لے جایا گیا تھا۔ دونوں کمروں کے درمیان کواڑ تھے اور بند تھے۔ پھر بھی ایک تھوڑی سے جھری رہ گئی تھی۔ خواہ مخواہ میری نظریں اس طرف کو جمی ہوئی تھیں۔ ایک اونچی سی کرسی پر ایک بُت رکھا ہوا تھا۔ سر پر پگڑی لمبی سفید داڑھی۔ مَیں نے سوچا کہ یہ بُت مرزا صاحب کا ہی ہوسکتا تھا۔ مَیں نے دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب جُھک کر اُوتار کی قدم بوسی کر رہے ہیں۔ کسی نے کواڑ بند کر دیا اور مَیں خفیف سا ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ جو خیالات مَیں ڈاکٹر صاحب کے لئے رکھتا تھا وہ بُت پرستی سے بُری طرح متزلزل ہوگئے گویا دُنیا ہی بدل گئی۔ ڈاکٹر صاحب اپنی ہمشیرہ، بھانجی، بھانجیوں سے مل کر بیٹھک میں آئے۔ اُن کی مہربانی انہوں نے سب سے پہلے مجھے ہی قریب بُلایا اگرچہ مَیں اندر سے کھولا ہوا تھا۔ مَیں نے وہ رات کانٹوں پر بسر کی۔ کتنا عظیم انسان جو بات بات پر قرآن کریم کے حوالے دیتا ہے۔ بُت پرست ہوسکتا ہے، سمجھ میں نہ آئے۔ دوسرے دِن مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے اُن کی ہمشیرہ کو فون کیا وہ بہت خوشی سے پیش آئیں۔ وہ بہت خوش تھیں کہ اُن کے بھائی جان نے غریب نوازی کی تھی اور عرصہ دراز کے بعد اُن کے گھر آئے تھے ورنہ پہلے وہ باہر ہی ہوٹلوں میں ٹھہر کر چلے جاتے تھے۔ کہنے لگیں کہ میرا بھائی بہت خوش خوراک ہے مَیں نے اُن کی پسند کی تین ڈشیں بنائی تھیں لیکن آپ جلدی سے چلے گئے تھے۔ کہنے لگیں کہ یہ ایک بہت ہی ذاتی سی بات ہے۔ سختی سے منع کر رکھا ہے مگر آپ نے پوچھا ہے تو بتا دیتی ہوں۔ یہ اُن کے آخری اُستاد ہیں جو بقید حیات ہیں باقی سب اللہ کو پیارے ہوگئے ہیں۔ کیا بتاؤں بھائی جان اپنے استادوں کی اتنی عزت کرتے ہیں کہ کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ یہ آخری اُستاد ہیں سکول کے زمانے کے 80 یا 85 سال کے تو ہوں گے۔ بھائی جان کو انہوں نے چھوٹی کلاسوں میں پڑھایا ہے۔ پتہ نہیں فارسی، عربی، تاریخ یا جغرافیہ پڑھایا ہے۔ مجھے معلوم نہیں پہلے وہ چنیوٹ میں رہتے تھے اور جب مصروفیت اجازت دیتی تھی، ڈاکٹر صاحب اُن سے ملنے کے لئے چنیوٹ چلے جاتے تھے پھر مصروفیات

زیادہ بڑھیں تو اُنہیں کراچی بلوالیا اَور کورنگی میں ایک کوارٹر لے دیا ہے۔حسب توفیق خدمت کرتے رہتے ہیں اپنے اُستاد کی قدم بوسی کے لئے وہ خود کراچی آتے جاتے ہیں۔اُن کے پاس پیش ہوتے ہیں۔لیکن کل صبح ہی بھائی جان نے لاہور سے ٹیلی فون کیا تھا کہ ماسٹر صاحب کو کورنگی سے ایسی گاڑی بھجوا کر بلوالوں جس سے اُنہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔اس لئے ہم نے گاڑی بھجوا کر اُنہیں بلوالیا وہ تو بس پانچ منٹ میں واپس چلے گئے تھے۔مَیں کیا بتاؤں میرا بھائی فرشتہ ہے فرشتہ!!''

جناب قاسم محمود صاحب نے جب اپنا مبہوت کُن واقعہ ختم کیا تو سامعین نے بھر پور تالیوں سے ڈاکٹر صاحب کی عظمت اَور سعادت مندی کی جی بھر کر داد دی۔اِس جاندار واقعہ کے سفید پگڑی اَور سفید لمبی داڑھی والے مرکزی کردار محترم سردار مصباح الدین صاحب تھے جن کا ڈاکٹر صاحب بے حد احترام کرتے تھے۔یہاں اس بات کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ جناب قاسم محمود صاحب کی نظروں نے ایسا دھوکہ کیوں کھایا جس سے اُن کے خیالات ڈاکٹر صاحب کے لئے متزلزل ہوئے۔امر واقعہ یہ تھا کہ سردار صاحب کے کولہے کی ہڈی اس بُری طرح ٹوٹ چکی تھی کہ باوجود آپریشن کے وہ اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔جس کی وجہ سے وہ وہیل چیئر استعمال کرنے لگے۔اِدھر کان کی شنوائی بھی بُری طرح متاثر تھی کہ کان کے ساتھ ہی لگ کر بات ہو سکتی تھی اَور وہ بھی بہت مشکل کے ساتھ۔اُن کی وہیل چیئر اونچی سطح کی تھی وہ ہمیشہ سفید پگڑی پہنتے تھے، سفید داڑھی تھی اَور سفید شلوار قمیض۔ڈاکٹر صاحب جو انتہائی مصروفیت کے عالم میں تھے اَور کسی اگلی ہی فلائیٹ سے واپس جانے والے تھے ان کی سعادت مندی کی انتہا تھی کہ انہوں نے اپنے اس بزرگ کو پہلے ملنا پسند فرمایا تا کہ چند ساعت ہی سہی وہ ان سے مل سکیں۔یہ ڈاکٹر صاحب کی ان سے آخری ملاقات تھی۔جس کے لئے ڈاکٹر صاحب کو یقیناً مکمل جھکنا پڑا اور خیریت معلوم کرنے کے لئے اَور دعا کے لئے کہنے کے لئے کانوں کے قریب ہونا پڑا۔یہ وہ نظارہ تھا جس کو ایک اجنبی ایک چھوٹی سے جھری میں سے دیکھ کر غلط فہمی میں پڑ گیا۔بزرگوں کا احترام دراصل ڈاکٹر صاحب کی گھٹی میں ہی تھا۔

(ماخوذ از ''میری پونجی'' مصنفہ صفیہ بشیر سامی صاحبہ لندن)

نامور شاعر ریاست رضوی

(از قلم: ڈاکٹر محمد جمال سوری لندن)

برطانیہ کے نامور اور بزرگ شاعر جناب الحاج سید ریاست رضوی اُردو کے ایک بین الاقوامی شہرت یافتہ شاعر ہیں۔میں ان کی شاعری ریڈیو پر اس وقت سنا کرتا تھا جبکہ میں نے خود اُردو شاعری کے میدان میں قدم رکھا تھا۔یہ اُن دنوں کی بات ہے جب اُن سے ٹیلی فون پر گفتگو ہوتی تھی۔پھر یہ سلسلہ ملاقاتوں میں تبدیل ہو گیا۔میں اُن کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ریڈیو کی ادبی محفلوں میں میرا تعارف کرایا۔ان کی حوصلہ افزائی کو بیان کرنے کے لئے میرے الفاظ ناکافی ہیں۔پھر میری اُن سے ملاقاتوں کا سلسلہ اتنا بڑھا کہ اب ہفتے میں ایک دو بار بات چیت نہ ہو تو بے چینی بڑھ جاتی ہے۔اس کے ساتھ یہ بھی کہتا چلوں کہ کسی وجہ سے اگر کبھی کبھار گفتگو کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے مثلاً ان کا سفر پر ہونا یا ملک سے باہر ہونا تو ہم اداس اور غمگین ہو جاتے ہیں۔جس کا اظہار میں اس قطعے سے کرنا چاہتا ہوں:

ویران یہ چمن تھا ریاست ترے بغیر
بیجان تھی یہاں کی سیاست ترے بغیر
دل بے قرار تھا میری طبیعت اداس تھی
کیسے سخن کی ہوتی ریاضت ترے بغیر

لندن کے ہر مشاعرے میں ان کا حاضر ہونا نہایت اہمیت رکھتا ہے۔اور ان کے کلام اور کلام کو سنانے کا جو انداز ہی ء اس سے ہر طبقہ فکر کے سامعین محظوظ ہوتے ہیں میری دعا اور دلی تمنا ہے کہ اُن کا مجموعہ کلام جلد منظر عام پر آئے اور لوگوں کی پذیرائی حاصل کرے آمین۔

ریاست رضوی....غزل

زمانے میں چرچے تمہارے ہوئے ہیں
بڑے کارنامے ہمارے ہوئے ہیں
خطا ہے ہماری جو تم کو ہے چاہا
ہمارے تو دشمن ہی سارے ہوئے ہیں
بہت چھپ کے ہم تم سے ملتے رہے ہیں
مگر شک میں سب ہی تو مارے ہوئے ہیں
نگاہیں تو سب کی تمہاری طرف ہیں
مگر اپنی جانب اشارے ہوئے ہیں

کبھی نہ ہوئے ساتھ ہم محفلوں میں
مگر ذکر اپنے تمہارے ہوئے ہیں
نظر لگ گئی ہے زمانے کی تم کو
جدا ہم سے تیرے نظارے ہوئے ہیں
خدا پار کردے یہ کشتی ہماری
بہت دور ہم سے کنارے ہوئے ہیں
نہ طوفاں آئے نہ ڈوبے ریاستؔ
سفینے بھنور میں اُتارے ہوئے ہیں

قطعاتِ....عبدالغفار عزمؔ

ہیں دونوں اپنی ضد میں، کھیلنے والے برابر کے
نہ باطل مات کھائے ہے نہ حق جیتے ہے باطل سے
کہاں تھا ہوش آنے کا جو ہوگا ہم کو جانے کا
چلے آئے ہیں محفل میں، چلے جائینگے محفل سے

☆☆☆

جن میں تا حدِ نظر ریت ہی پتھر نکلے
راستے بھی انہیں صحراؤں سے اکثر نکلے
فاصلے اور بڑھے جتنے بڑھے ہم آگے
آسماں اک نیا نکلا جو نئے پر نکلے

☆☆☆

بہت ہی مختصر ہے داستانِ آبلہ پائی
ہمارے گھر سے ان کے آستاں تک بات جائے گی
ہمیں تو حالِ دل کہتے ہوئے کچھ ڈر سا لگتا ہے
خیال اپنا نہیں انکے گماں تک بات جائے گی
ابھی تو راس آئی ہے اسیری عزمؔ ایسے میں
چمن کا ذکر مت کر آشیاں تک بات جائے گی

☆☆☆

khursheedkhadim@yahoo.co.in
www.unitechpublications.com
+91-9815617814
+91-9872341117
UNITECH PUBLICATIONS
Designing, Printing & Export house for
books, periodicals, catalogues & advertisement brochures etc.
Muslim Street - 143516 Distt Gsp. INDIA

پیدائیشی اور نومسلم نوجوان جہادی نظریات سے متاثر ہوکر جہادی تنظیموں میں کیوں شامل ہورہے ہیں؟ ایک تجزیہ!

(زبیر خلیل خان- کروشیا)

میڈیا رپورٹس کے مطابق ترقی یافتہ مغربی ممالک میں پروان چڑھنے اور تعلیم حاصل کرنے والے پیدائیشی اور نومسلم نوجوانوں کی کافی بڑی تعداد جہادی نظریات سے متاثر ہوکر شام اور عراق میں برسر پیکار جہادی تنظیموں میں شامل ہورہی ہے۔اس تعداد میں زیادہ حصہ مرد حضرات کا ہے جب کہ نوجوان تعلیم یافتہ لڑکیوں میں بھی جہادی تنظیموں میں شمولیت کا رجحان پروان چڑھ رہا ہے۔یہ مغربی ممالک اس جہادی رجحان کی بنیادی وجوہات تلاش کرنے میں اتنی مساعی کرتے نظر نہیں آتے جتنی مساعی وہ اس نقطہ پر کررہے ہیں کہ یہ نوجوان جب واپس اپنے ممالک میں لوٹیں گے تو انکی آمد کی وجہ سے ان ممالک کی معاشرت اور سوسائیٹیز پر کیا اثرات مرتب ہو سکتے ہیں اور اس ایک نقطہ کو مدنظر رکھ کر یہ ممالک مختلف اقدامات کا نفاذ کرتے نظر آتے ہیں۔ان اقدامات میں ایسے قوانین کا نفاذ بھی شامل ہے جس کی بدولت واپس آنے والے جہادی پولیس کے ہتھے چڑھ کر جیلوں کا رخ کرینگے۔جہادی نظریات سے متاثر ہوکر جہادی تنظیموں میں شمولیت کے مسئلہ کا اگر گہرائی سے جائیزہ لیا جانا مقصود ہوتو پھر زیادہ بہتر اور موثر اپروچ یہ ہونی چاہیے کہ ان بنیادی وجوہات کو تلاش کیا جاے جن کے باعث مغربی ترقی یافتہ ممالک کے پیدائیشی اور مسلم نوجوان جہادی نظریات سے متاثر ہوکر جہادی تنظیموں میں شامل ہو رہے ہیں۔ذیل میں ایسی ہی چند وجوہات کی نشاندہی کی جارہی ہے جو کہ مغربی اقوام کے مسلم نوجوانوں میں جہادی نظریات اور جہادی تنظیموں میں شمولیت کا باعث بن رہی ہیں۔

ترقی یافتہ طاقتور ممالک کی منافقانہ پالیسیاں

موجودہ دور میں ترقی یافتہ طاقتور ممالک نے دنیا کے مختلف علاقوں میں پیدا ہونے والے مسائیل کے حل کے لیے دوغلی اور منافقانہ پالیسیاں اپنا رکھی ہیں۔ان مسائیل کے مخلصانہ حل کی بجاے یہ طاقتیں سب سے پہلے اپنے مفادات دیکھتی ہیں اور پھر ان مفادات کی روشنی میں اقدامات اٹھاتی ہیں۔EBOLA بیماری میں مبتلا ان طاقتور ممالک کے دو چار افراد کے لیے تو ملین ڈالر خرچ کر کے ان کا علاج کرالیا گیا لیکن مغربی افریقہ کے متاثر ممالک کے ہزاروں افراد کو گلیوں بازاروں میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجانے دیا گیا اور دہائی کے باوجود ان ممالک کی اس بیماری کے خلاف مدد نہ کی گئی۔اسرائیل کے تین افراد کے انجانے قتل کی پاداش میں ان طاقتور ممالک کی

پشت پناہی کی بدولت ہزاروں فلسطینی تہ تیغ کر دیے گیے ۔عراق ۔افغانستان ۔شام ۔ لیبیا میں خود ساختہ مفروضوں کی بنا پر ان مسلم ممالک پر طاقتور ممالک کی طرف سے وہ ظلم ستم ڈھایا گیا کہ یہ سارے ممالک پتھر کے دور میں واپس جا پہنچے ہیں ۔ انہی طاقتور ترقی یافتہ ممالک کے پڑھے لکھے پیدائیشی یا نومسلم نوجوان جب اس برپا کیے جانے والے ظلم ستم سے آگہی حاصل کرتے ہیں تو ان کا دل خون کے آنسو روتا ہے اور وہ ظلم ستم پر مبنی اس نظام کے خاتمہ کی کاوشوں کے لیے کسی بھی تحریک کی طرف سے کیے گیے دعوی کی وجہ سے اس میں شامل ہو کر انتہائی قدم اٹھانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں ۔ طاقتور ترقی یافتہ ممالک کو اپنی ان منافقانہ پالیسیوں کو فوری طور پر بدلنے ی ضرورت ہے ۔موجودہ دور ڈیجیٹل میڈیا کا دور ہے ان طاقتور ممالک کی طرف سے اٹھائے گیے ان ظالمانہ اقدامات کا بے لاگ تجزیہ کرنے والے پل بھر میں ان اقدامات کا تیا پانچہ کر کے اصل حقائق سے ساری دنیا کو آشکارا کر دیتے ہیں ۔

انتہا پسند مسلم علما اور سکالرز کی طرف سے اسلامی تعلیم کی غلط توجیحات کا میڈیا پر بھرپور پرچار

بدقسمتی سے اُمت مسلمہ میں ایسے علما اور سکالرز کی کمی نہیں جو اسلامی تعلیمات کی غلط توجیحات پیش کر کے اپنے مذموم عزائم حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ یہ علما اور سکالرز قرآن اور احادیث کی توجیحات کو اپنے مذموم عزائم کو سامنے رکھ کر بیان کرتے ہیں اور نوجوان مسلمانوں کے ذہنوں کو زہر آلود کر دیتے ہیں اور مستقبل کی ایک فرضی عرشی جنت کی خوش خبری دے انہیں انتہائی قدم اٹھانے پر آمادہ کر لیتے ہیں ۔ مذہب اسلام میں یہ خوبی ہے کہ اس کے پیرکاروں میں مذہبی جذبات اُبھار کر ان سے مشکل ترین کام بھی لیا جا سکتا ہے ۔ یہ نام نہاد علمائے سُو اور اسکالرز اسلام کی اس خوبی سے آگاہ ہیں اور بدقسمتی سے اسلام کی اس خوبی کا اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال کر رہے ہیں ۔ اُمت مسلمہ میں بہت سارے ایسے گروپس بھی ہیں جو ان نام نہاد علمائے سُو اور اسکالرز کی کاوشوں کا بھانڈہ پھوڑتے رہتے ہیں لیکن افسوس کہ ان علمائے سُو اور اسکالرز کے مقابلہ پر ان امن پسند اور ماڈریٹ مسلم گروپس کو دنیا کے طاقتور الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا پر کسی قسم کی پزیرائی نہیں ملتی ۔ طاقتور الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کی اس ناانصافی کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی کہ جرمنی اور برطانیہ میں منعقدہ یورپ کے سب سے بڑے احمدیہ مسلم اجتماعات جن میں صرف اسلامی پیار محبت اور امن کی بات کی گئی ان اجتماعات کی ان طاقتور میڈیا گروپس نے خبر تک کو نشر کرنا گوارا نہ کیا ۔ اس کے برعکس اسلام کے نام پر کی جانے والی منفی سرگرمیوں اور علمائے سُو اور اسکالرز کی غلط اسلامی توجیحات کی کوریج کے لیے ان طاقتور میڈیا گروپس کے پاس گھنٹوں کے حساب سے وقت موجود رہا ۔ طاقتور ترقی یافتہ مغربی ممالک جو ان طاقتور الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کو کنٹرول کرتے انھیں اپنے ان متعصّبانہ رویوں پر غور کر کے ان کو بدلنا ہو گا ۔ اسلام کے نام پر کی جانے والی منفی سرگرمیوں اور نام نہاد علمائے سُو اور اسکالرز کی کوریج کے ساتھ اسلام کے نام پر کی گئی مثبت کاوشوں اور سرگرمیوں کو بھی کوریج دینا ہو گی ۔ تاکہ منفی پراپیگنڈہ کا مداوا ہو سکے اور بھٹکے ہوے مسلم نوجوان ٹھوکر سے بچ سکیں

ملکی سطح پر منصفانہ سلوک کی کمی

یو کے کے مطابق تقریبا پانچ صد برطانوی نوجوان اور جرمنی کے مطابق تقریبا چار صد نوجوان اب تک جہادی تنظیموں میں شامل ہوئے ہیں ۔ ان میں یک صد کے قریب مر چکے ہیں ۔ کل تعداد میں نو فیصد نومسلم ہیں جب کہ باقی پیدائیشی مسلم ہیں ۔ کم ترین عمر پندرہ سال ہے جب کہ اکثریت اکیس تا پچیس سال کے درمیان ہے ۔ ساٹھ تا ستر فیصد یو کے اور جرمنی میں پیدا ہوئیے ہیں اور یہاں ہی تعلیم حاصل کی اور پروان چڑھے ۔ اور ان ملکوں کی ہی شہریت رکھتے ہیں ۔ نوے فیصد مرد جب کہ باقی خواتین ہیں ۔ اکثریت کم تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ہے لیکن بعض اچھے تعلیم یافتہ بھی ہیں ۔ ایک کثیر تعداد روزگار کو لات مار کر جہادی تنظیموں میں شامل ہوئی ہے ۔ دونوں ممالک کی خفیہ ایجنسیوں کی رپورٹ کے مطابق اکثریت ایسے نوجوانوں کی ہے جن کو اپنے ماحول، اپنے تعلیمی ادارہ ۔ اپنی ملازمت کی جگہ اور اپنے ملک میں منصفانہ سلوک نہیں ملا ۔ اپنے رنگ، مذہب اور دیگر امور کی بنا پر ہر جگہ ناانصافی کا شکار رہے ۔ ناانصافی کا شکار ذہن ہمیشہ غیر مطمن رہتا ہے اور غیر مطمن ذہن کو انصاف کے نام پر بڑی آسانی سے ایکسپلائیٹ کر کے کسی بھی انتہائی نظریہ کو قبول کر لینے پر بڑی آسانی سے آمادہ کیا جا سکتا ہے ۔ ان دو ممالک اور دیگر ترقی یافتہ ممالک کو بھی مذہب اسلام اور غیر ممالک سے تعلق رکھنے والے اپنے سٹیریز نز کے ساتھ ناانصافی پر مبنی اقدامات اور رجحانات کو ختم کرنے کے لیے انقلابی اقدامات کرنے ہونگے ۔

مذہبی تنظیموں اور والدین کی طرف سے تعاون کا فقدان

نوجوانوں کی گرومنگ میں مذہبی تنظیموں اور والدین کا بہت بڑا کردار ہوتا ہے ۔ تنظیموں کی طرف سے باقاعدگی سے منعقد کیے جانے والے پروگرام اور والدین کی طرف سے بچوں کی مسلسل نگرانی عمدہ نتائج نکالتی ہے ۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ترقی یافتہ مغربی ممالک میں مسلمانوں کی طرف نہ تو کوئی ایسی قابل ذکر تنظیم موجود ہے جو بچوں اور نوجوانوں کے بہتر اخلاقیات اور مفید معاشرتی وجود بننے کے لیے کام کر رہی ہو اور نہ ہی مسلم والدین اس بارہ میں اپنا کردار موثر رنگ میں ادا کر رہے ہیں ۔ اس جگہ احمدی گروپ کی مثال بہت جچتی ہے ۔ ان کی بچوں اور نوجوانوں کے لیے قائم کی گئی تنظیم اپنے ممبران کی خلاقی حالت کی بہتری اور ان کو معاشرہ کا مفید رکن بننے کے

لیے تسلسل کے ساتھ عمدہ پروگرام بناتی اور ان پر عمل کرتی ہے۔ ساتھ ساتھ والدین کی رہنمائی بھی کی جاتی ہے کہ بچوں کی عمدہ تربیت کیسے کی جاسکتی ہے۔ دونوں اطراف سے کی گئی مخلصانہ کاوشوں کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ آج تک احمدیہ گروپ کا کوئی نوجوان نہ تو جہادی نظریات سے متاثر ہوا ہے اور نہ ہی کسی جہادی تنظیم میں شامل ہوا ہے۔ جرمنی اور یورپ میں احمدیہ گروپ بڑی تعداد میں منظم طریق سے موجود ہے۔ گو اس گروپ کے دیگر مسلمانوں کے ساتھ نظریاتی اختلافات موجود ہیں لیکن جہادی نظریات کی بیخ کنی اور جہادی تنظیموں میں عدم شمولیت میں کامیاب مثال قائم کرنے پر یہاں کی حکومتیں ان کی حکمت عملی کا مطالعہ کر کے دیگر اسلامی گروپس کو بھی ان کے طریق پر عمل کرنے کا کہہ سکتی ہیں۔

عالمی۔قومی اور مقامی سطح سے امن اور سلامتی کی اسلامی تعلیم کے بارہ میں وعظ اور نصائح کی کمی

مساجد۔ مدارس اور ثقافتی مراکز جو کہ اسلامی معاشرت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں آج مغربی ممالک میں ان کا کوئی پرسان حال نہیں۔ فقہی، مسلکی، فروعی اور ذاتی اغراض نے ان اداروں کا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے۔ یہی ادارے جو کبھی مسلم بچوں اور نوجوانوں کو معاشرہ کا مفید وجود بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتے تھے اب علما سو اور نام نہاد اسکالرز کے مذموم عزائم کے حصول کے ادارے بن چکے ہیں۔ ہر مقامی ادارہ میں متعین ملاں اپنی ڈفلی بجاتا رہتا ہے اور اس پر نہ تو کوئی چیک ہے اور نہ کسی کا کنٹرول۔ اسی وجہ سے کئی ایسی مثالیں سامنے آئی ہیں جہاں ان اداروں کے نام نہاد ملاؤں کی بدولت بہت سارے نوجوان جہادی نظریات سے متاثر ہو کر جہادی تنظیموں میں شامل ہوئے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان اداروں میں ہونے والی سرگرمیوں اور یہاں پر کی جانے والی وعظ اور نصیحت کی گہرائی میں جانچ پڑتال کی جائے۔ ایک طریق یہ ہوسکتا ہے کہ ملکی سطح پر کوئی ایسا انتظام کیا جائے کہ مرکزی طور پر اسلام کی امن اور محبت پر مبنی تعلیمات کی روشنی میں وعظ اور نصیحتیں تیار کی جائیں اور پھر ان کو ایک انتظام کے تحت تمام مساجد اور مراکز میں پہنچا کر شاملین کو سنایا جائے اور کسی بھی مقامی ملاں کو اپنی طرف سے ایسے درس اور وعظ و نصیحت کی اجازت نہ دی جائے جو جہادی نظریات کے پرچار میں مدد و معاون ثابت ہوسکتا ہو۔ اس سلسلہ میں مغربی ممالک کی حکومتیں ماڈریٹ اور امن پسند مسلمان رہنماؤں سے مدد لے کر اس اسکیم پر موثر رنگ میں عمل درآمد کرسکتی ہیں۔

(Zubair Khalil Khan - Laschinski Borovec-24-A,
10000-Zagreb-Croatia Ph. 00491719451610)

عامر امیر....غزل

جدائیوں کے زمانے کب تک، نہ جانے کب تک
تم آؤ گے یہ بتانے کب تک، نہ جانے کب تک
میں رُوٹھ بیٹھا ہوں جب سے تم سے یہ سوچتا ہوں
آرہے ہو منانے کب تک،نہ جانے کب تک
اب آبھی جاؤ کہ تازگی زندگی میں آئے
میں غم سنبھالوں پرانے کب تک،نہ جانے کب تک
ہے آس مُردہ، حواس مُردہ،
اور ایک میں نے جنازے گھر سے اُٹھانے کب تک نہ جانے کب تک
میری محبت تو کب کی رُخصت ہو چکی ہے
گراؤ گے شامیانے کب تک،نہ جانے کب تک
میں ہار کر بھی خوش ہوں کہ یار جیتا
بچاؤ گے شامیانے کب تک،نہ جانے کب تک
اور میری سرکش وفا کا گھوڑا بھی اڑ گیا ہے
لگاؤ گے تازیانے کب تک،نہ جانے کب تک
اے عشق یوں ہی مزار پر فضول تونے
مرید اپنے نچانے کب تک ،نہ جانے کب تک

ساجد رانا....غزل

ہم نہیں بدلے ساجدؔ زمانہ بدل گیا
وفاؤں کو پرکھنے کا پیمانہ بدل گیا
محفلوں میں رکھتا ہے کون اب شمع
کہتے ہیں کس طرح کہ پروانہ بدل گیا
وفا پہ اب یقین اب مجھ کو نہیں رہا
شاید اُس کا مجھے آزمانہ بدل گیا
توڑا کچھ اس طرح اوس نے دل میرا
روزانہ بدل کر میں روزانہ بدل گیا
دیکھتے ہی میرے گھر میں شامِ غم
مجھ سے برسوں پرانا اُس کا یارانہ بدل گیا
آج پینے کی تمنا کیا کی ذرا
ہوتا تھا جو یہاں میخانہ بدل گیا
جینے کی آرزو مجھ میں باقی دیکھ کر
مجھ سے تو ہر اپنا بیگانہ بدل گیا
ہم نہیں بدلے ساجدؔ زمانہ بدل گیا
وفاؤں کو پرکھنے کا پیمانہ بدل گیا

آدم چغتائی....''شاعری کے تناظر میں''

(اسحاق ساجد)

مرے سامنے آدم چغتائی کا شعری مجموعہ ''نوائے آدم'' ہے جسے میں نے بہت غور سے پڑھا ہے۔آدم چغتائی کے اشعار میں وہ ساری خوبیاں موجود ہیں، جو انہیں اچھا غزل گوشاعر ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

آدم چغتائی کی تعریف اس لئے بھی کرنی ہوگی کہ اُنہوں نے نئی فکر نئی سوچ اور نئے اسلوب کو اپنایا ہے۔اور ایک الگ راستہ اختیار کیا ہے۔آپ کی غزلوں میں زندگی سے جڑے اشعار کی کمی نہیں آپ نے اپنے اشعار میں رنج وغم ہجر وفراق کا اور شکستہ خوردگی کا رونا نہیں رویا بلکہ عزم وحوصلے سے کام لیا ہے۔ سچے شاعر کے جذبے فطرت کے تقاضوں سے قطعی نہیں ٹکراتے۔ ذات کے سارے کرب لفظوں ڈھال کر غزل کے امکانات تک پہنچ جانے کا فن آدم چغتائی خوب جانتے ہیں۔

الفاظ کی نئی ساخت اور نئے لہجوں کو بڑی خوبصورتی سے اپنے مزاج میں جذب کر کے اظہار کی نئی قوتوں سے اپنی شاعری کو متعارف کرنا ان کا فن بن جاتا ہے۔آدم چغتائی کے احساسِ تنہائی نے کئی نئی علامتوں اور اشاروں کو تراشا ہے اور مرے نزدیک اچھا شعر وہ ہے جس میں سادگی اصلیت اور جوش ہو۔اور اچھا شعر واقعی وہی ہوتا ہے جس کے معانی الفاظ سے پہلے ذہن میں آجائیں آدم چغتائی کے کلام کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوجائے گی کہ وہ اپنے سینے میں ایک دردمند دل رکھتے ہیں اور ایسے میں سماجی بدحالی اعلیٰ اقدار کا زوال انہیں بے چین کر دیتا ہے اور وہ اسے شعری پیکر میں ڈھالنے کے لئے بے چین ہو جاتے ہیں۔آدم چغتائی کے اشعار میں بلا کی تاثیر ہے۔آدم چغتائی نے شاعری کو آواز کی تصویر اور تصویر کی آواز کا متبادل ہنر بنا دیا ہے۔آپ اپنی ہی ایجاد کردہ زمینوں پر ترنم کے ساتھ غزلیں سناتے ہیں تو مشاعرہ لوٹ لیتے ہیں اس کے علاوہ وہ کسی خاص تکنیک کو عمل میں نہیں لاتے بس سادہ ترنم ہی کام کر جاتا ہے۔آپ کی آواز دکھی انسان کی آواز ہے جو سرابوں میں چشمہءِ آب کی جستجو میں سرگرداں ہے اور مرے نزدیک یہ ہنر بھی فن میں آتا ہے۔جب آدم چغتائی غزل ترنم سے سنا رہے ہوتے ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے زندگی کی تعمیر کا سفر مختلف ٹکڑوں میں بٹ کر بکھر گیا ہو۔ان کے ترنم کا لہجہ نہ صرف ہمیں مرعوب کرتا ہے بلکہ ذہنوں کو جھنجھوڑتا بھی ہے۔

آدم چغتائی حقیقت اور سچائی کے پرستار ہیں ان کی شاعری میں جگہ جگہ اس کا عکس ملتا ہے وہ سچ کو سچ کہتے ہیں اور سچ کہنے میں کسی مصلحت سے کام نہیں لیتے آپ کے شعر پڑھ کر ان کے صاف وشفاف کردار کا اندازہ ہوتا ہے۔ ہر شخص کو اپنے وطن سے پیار ہوتا ہے آدم چغتائی کے اشعار میں وطن کی محبت کو محسوس کیا جاسکتا ہے اور یہ فطری امر ہے۔ وطن سے بچھڑنا ہجرت کرنا معمولی بات نہیں۔ یہ وہ دکھ ہوتے ہیں جو انسان کو اندر اندر کھا جاتے ہیں۔آدم چغتائی کا یہ دکھ بھی ان کے فن میں سرائیت کر چکا ہے۔ جسے ان کے اشعار میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔آدم چغتائی کا ارتقائی سفر خوب سے خوب کی جانب جاری ہے میں ان کے کل کے درخشندہ اور تابندہ ہونے کی پیشن گوئی کر کے اپنی بات ختم کرتا ہوں اور ان کے چند اشعار پیش کرتا ہوں:

مَرے جن کے لئے احساس بھی ان کو نہیں آسکا
سلیقے سے ہمیں کچھ کام کرنا ہی نہیں آتا

❁

عہدِ جنوں بھی کٹ گیا، عمرِ عزیز بھی
میں ہی تیرے وصال کا ساماں نہ کر سکا

❁

چاند کو عرش پہ تاروں نے سجا رکھا ہے
ہم نے آنکھوں میں تیرا عکس بسا رکھا ہے

اسحاق ساجد....گیت

کہاں جا رہا ہے مجھ کو ٹھکرا کے جانے والے
یوں ہجر کے شعلوں میں مجھ کو جلانے والے
جو بھی کہا ہے تو نے سب مان لیا میں نے
تیرے ہر اک ستم کو ہنس ہنس کے سہا میں نے
کیا جان لے کے چھوڑے گے آزمانے والے
یوں ہجر کے شعلوں میں مجھ کو جلانے والے
تو نے مری وفا کو ایثار کو نہ سمجھا
میرا تو نہیں ، تیرا ہی پیار نکلا کھوٹا
مت دیکھو مسکر اکر مرا دل دکھانے والے
کہاں جا رہا ہے مجھ کو ٹھکرا کے جانے والے
یوں ہجر کے شعلوں میں مجھ کو جلانے والے
تری بے رخی کا اک دن تجھ کو صلہ ملے گا
جب تیری طرح تجھ سے دھوکہ کوئی کرے گا
تو بھی جلے گا یونہی مجھ کو جلانے والے
کہاں جا رہا ہے مجھ کو ٹھکرا کے جانے والے
یوں ہجر کے شعلوں میں مجھ کو جلانے والے
ہے وقت اب بھی رک جا قیمت سمجھ وفا کی
اچھی نہیں ستمگر فطرت تری دغا کی
دامن چھڑا نہ جھوٹی تہمت لگانے والے
کہاں جا رہا ہے مجھ کو ٹھکرا کے جانے والے
یوں ہجر کے شعلوں میں مجھ کو جلانے والے

❁❁